

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان:

((لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة))

”جس گھر میں کتا اور تصویر ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“

کے بارے فرماتے ہیں:

جب مخلوق فرشتوں کے لیے کتا اور تصویر گھر میں داخل ہونے سے مانع ہے تو اللہ عز و جل (جو کہ خالق ہے) کی معرفت، اس کی محبت، اس کے ذکر کی مٹھاس، اس کے قرب کا انس اس دل میں کیسے پیدا ہو سکتا ہے جو کتوں کی سی شہوات اور کتوں کی سی صورتوں سے بھرا ہو۔

(مدارج السالکین: ۲/۲۳۱)

اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان میں فرق

شیطان ایک قوتِ خبیثہ ہے جو سعادتِ عالم کی دشمن اور ہدایتِ انسانی کو روکنے والی ہے۔ پس وہ اپنے گھرانے کو اور اپنی نسل کے چاکروں کو حکم دیتی ہے کہ اولیاء اللہ کی منادی کی مخالفت کریں اور عدل و احسان کی جگہ ظلم و عدوان کی طرف لوگوں کو بلائیں: ﴿فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالنَّكَرِ﴾ اس لیے جو لوگ شیطانی حکموں کے سامنے گر جاتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر اُس کی سفارت و خلافت اختیار کر لیتے ہیں، ان کا کام امر بالمعروف کی جگہ امر بالمعکر اور نہی عن المنکر کی جگہ امر بالمعکر ہوتا ہے۔ یعنی اولیاء اللہ تو نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں، لیکن وہ برائیوں کا حکم دیتے اور نیکیوں سے روکتے ہیں۔ قرآن کریم نے صاف صاف لفظوں میں اس کی تصریح کر دی ہے:

﴿الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ٥﴾ [التوبة: ٦٨]

”منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی قسم کی ہیں۔ برائی کا حکم دیں، نیکیوں سے روکیں، اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا وقت آئے تو مٹھیاں بھینچ لیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے بھی انھیں بلا دیا۔ کچھ شک نہیں کہ یہ منافق ہی ہیں جو سخت فاسق ہیں۔“

حالانکہ مومنوں کا حال یہ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥﴾ [التوبة: ٧١]

”برخلاف منافقوں کے مومن مرد اور مومن عورتوں کا حال یہ ہے کہ نیک کاموں میں ایک کا ساتھی ایک ہے۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، صلاۃ الہی کو قائم کرتے ہیں، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، غرض یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ عزیز و حکیم ہے۔“

(ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكُونَا لَهُ شَاكِرِينَ إِلَّا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لِهَذَا إِنَّهُ لَكَنُفُورٌ

سہ ماہیہ
مولانا ابوبکر صدیق السلفی

بانی
مولانا محمد عطاء اللہ حنیف

مسک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

لاہور

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

30 جمادی الاولیٰ 1434 ھ جمعہ المبارک 12 تا 18 اپریل 2013ء

شماره 15 جلد 64

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم

مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی

0333-4786507

کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد

0344-4656461

جواہر پارے

کلمہ طیبہ

اولیاء اللہ اور اولیاء الشیطان میں فرق

(ابوالکلام آزاد)

اداریہ

(حافظ احمد شاہر)

درس قرآن

تفسیر سورہ یس..... (۶۸)

(مولانا ارشاد الحق اثری)

درس حدیث

”کتاب الایمان“..... (۳)

(ابوجز و عبدالحمید المری)

تعلیم و تربیت

علم کی فضیلت اور آداب

(ترجمہ: بخیر شید کیلانی)

اصلاح معاشرہ

ضروریات اور اخراجات.....

(ام عبدغنیب)

تذکرہ علمائے اہل حدیث

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ

(محمد سلیم چنیوٹی)

یاد رفتگان

عظیم اور منفرد دوست.....

(میاں محمد جمیل)

شعر و ادب

(ظفر علی خان)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پرائیج لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 60/- ڈالر امریکی

بیت
 السلام

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

تماشا

پچھلے دنوں جمہوریت کے معانی کی ہفت رنگی میں ایک یہ معنی بھی ہمارے علم میں آیا کہ اس کے معانی میں کیا رویوں میں سے گھاس پھونس نکالنا..... بھی..... ہوتے ہیں جس کی علمائے سیاست و فقہائے جمہوریت نے تشریح یوں کی کہ ہم ابھی تک سیاست کی کیا رویوں سے..... دھوکے، بدعنوانی اور جہالت کی..... گھاس پھونس نکال رہے ہیں۔ جمہوریت کے چہرے سے جب..... بدعنوانی وغیرہ..... کے یہ کیل مہاسے نکل جائیں گے پھر جمہوریت کا تروتازہ، صاف و شفاف ستھرا اور نکھر اہوا چہرہ جب سامنے آئے گا تو جمہور کے چہرے جمہوریت کی روشنی سے کھل اٹھیں گے۔ اس پر اب صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ عوام کی ع آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک

انتخابی میدان لگ چکا ہے کسی سیاسی جماعت یا اس کے لیڈروں کے پاس کوئی ایسا نامہ اعمال نہیں جس کی بنیاد پر وہ عوام سے ووٹ طلب کر سکیں بلکہ ان کا سامنا بھی کر سکیں۔ ۷۷ء کے بعد سے تمام انتخابات میں پی پی پی کی کم و بیش عوام کو اپنی مظلومیت کے دکھ سنا کر ووٹ لیتی رہی جب کہ فکری طور پر اس کی مد مقابل قوتیں یعنی مذہبی حلقے باہمی خلفشار و انتشار کا شکار رہے اور کسی بھی سیاسی جماعت کے پاس اپنے مثبت کارناموں کا کوئی ایسا نہ ریکارڈ تھا اور نہ ہی مستقبل میں دین و وطن یا عوام کی فلاح و بہبود کے لیے ان کے پاس کوئی ایسا قابل عمل منصوبہ تھا جس کو وہ عوام کے سامنے رکھ کر اہل وطن کو مطمئن کر کے ان سے ووٹ طلب کر سکیں۔ سیاستدان صرف وعدے کرتے بلکہ سبز باغ دکھاتے رہے اور دکھا رہے ہیں۔ تمام سیاسی جماعتیں (خصوصاً لیگ اور پی پی پی) ایک ہی رونا روتی رہیں اور اپنی ناکامیوں کا سبب یہی بیان کرتی رہیں کہ ہماری حکومتوں کو اپنی مدت حکومت پوری کرنے کا موقع نہیں دیا گیا۔

جانے والی حکومت کے پانچ سال میں امن و امان کی ناقابل بیان صورت حال، بے روزگاری، مہنگائی، بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ کی حکومتی مہربانیوں کے علاوہ اغوا برائے تاوان جیسے گھناؤنے جرائم سے عوام کی چیخیں نکال دی تھیں۔ یہ صورت حال سیاستدان بھی دیکھتے رہے، عدلیہ بھی مشاہدہ کرتی رہی اور عسکری ذرائع بھی اس کو مانیٹر کرتے رہے لیکن دورانِ پیش واقفانِ سیاست اور دانا لوگ اس بات پر کم و بیش متفق رہے کہ پی پی پی کی حکومت کو اس مرتبہ اپنی مدت پوری کرنے میں مدد دینی چاہیے اور اس کی کوتاہیوں سے انماض کرتے رہنا چاہیے کیونکہ عوام تو کالا انعام ہی رہیں گے لیکن اس مرتبہ حجت پوری ہو جائے جب کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے ”شہادت“ کی بسیرا کوششیں کیں لیکن عوام کے چیختے، چلاتے، روتے، بلکتے حکومت نے اپنی مدت پوری کر ہی لی۔ اس عرصہ میں یہ ”عوامی حکومت“ اپنے عوام کو نہ تو نعرے کے طور پر کسی زخم کو عنوان بنا سکی اور نہ اپنے اوپر ہونے والا کوئی ظلم بتا سکی، جس سے کسی طرح انتخابات مؤخر یا ملتوی ہو سکیں۔ اخبارات الیکشن ملتوی کرانے کی بعض کوششوں یا اندیشوں کا ذکر بھی کرتے رہے لیکن اب الیکشن کی ہاؤ ہو شروع ہو چکی ہے اور بازار سیاست گرم ہو چکا ہے۔ مبغوض جمہور یا ضیاء الحق ﷺ نے ریاست کے لیے مطلوب منتخب نمائندوں کے ضمن میں کچھ قواعد و شرائط کو آئین کا حصہ بنا دیا تھا جو ۲۶۲، ۲۶۳ کے نام سے معروف اور آج کل زیرِ مشق ہیں۔ اس شق کے محدب شیشے سے ہر امیدوار کے دین کو غیر دینی طریقے سے اس طرح جانچا جا رہا ہے کہ یہ موضوع ہی مضحکہ خیز بن رہا ہے بلکہ ریٹرننگ افسر اور امیدوار کے سوالات و جوابات کو پرائیویٹ ٹی وی چینلز کے ذریعے پبلک تک پہنچا کر اس شق، امیدوار اور دین کو تماشا بنایا جا رہا

تھا وہ تو اللہ تعالیٰ بھلا کرے ایک محترم جج صاحب کا کہ انھوں نے اس منظر کو ٹی وی پر دکھانا ممنوع قرار دے دیا ہے بلکہ کمرۂ عدالت میں ویڈیو بنانے پر بھی پابندی لگادی ہے۔

اصل سوال یہ ہے کہ وطن عزیز میں رائج غیر دینی طرزِ تعلیم سے تعلیم حاصل کرنے والے افراد اس دفعہ پر کس قدر پورا اتر سکیں گے؟ اصل چیز تو عقیدہ ہے اس کے بارے میں اب تک ہماری نظر سے کوئی سوال ہی نہیں گزرا۔ آئین کی اس دفعہ کی آڑ لے کر اس طرح کے غیر مناسب سوالات کرنے کو عوام کو دین سے متنفر کرنے کی سازش بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس معقول دفعہ ۲۶۲، ۲۶۳ کے نام معقول استعمال سے سیکولر طبقے کا دین کو بالارادہ تماشانا بھی بعید از قیاس نہیں اور اس دفعہ کی آڑ لے کر جن امیدواروں کو مسترد کیا جائے گا کہیں یہ ان کو مظلوم بنانے کی تمہید تو نہیں؟ کیونکہ ”سب پہ بھاری“ ذہانت سے ہر چال ممکن ہو سکتی ہے۔ کرپشن اور جعلی ڈگریوں کی گتھی تو ہماری بیوروکریسی اور الیکشن کمیشن اب تک سلجھا نہیں سکی۔ ساری تگ و دو عدالت عظمیٰ ہی کر رہی ہے۔ بہر صورت اصحاب بصیرت سے استدعا ہے کہ انتخابات ملتوی کرانے کی ناکام سازشوں کے بعد اس بات کا بہت دھیان رکھیں کہ یہ دفعہ سیاسی حربہ بن کر کہیں اپنی دینی حیثیت و وقعت ہی ختم نہ کر ڈالے۔

بقائے دوام کی کلید:

نگران حکمرانوں کے انتخاب بھی اشرافیہ کی ملی بھگت یا سیاستدانوں کی مفاداتی پالیسیوں کا مرہون منت معلوم ہو رہا ہے۔ ان عارضی حکمرانوں کے انتخاب میں تو حکومت نے ’جو اگرچہ عارضی ہی ہے‘ دفعہ ۲۶۲، ۲۶۳ کا تو خیال رکھا نہیں اور آنے والے انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کے سر پر ان دفعات کی تلوار لٹکا رکھی ہے۔ حاکم کہاں چنے جاتے ہیں، حکومتیں کہاں بنتی ہیں، کس کے ہلکارے سے ہمارا اپنی منزل میں پہنچتا اور مسکن بناتا ہے؟ یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ پنجاب کے نگران وزیر اعلیٰ ملک کے مشہور صحافی اور معروف کالم نگار ہیں جو اپنے مخصوص خیالات رکھتے ہیں۔ ان کے قارئین ان کے میلانات و رجحانات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ خصوصاً ریمینڈ ڈیوس کی گرفتاری کے دنوں ”حق گوئی“ کا جواں ہونے نے بے باکانہ اظہار کیا تھا، اخبارات پڑھنے والے قارئین کو ابھی تک یاد ہے، گاہے گاہے ان کی محبت کا سیلان کس طرف ہوتا ہے، یہ بھی قارئین کے ذہن میں ہے۔ دانشوری کے دُور سے عمل گریز طبقے سے ان کا تعلق بھی عیاں ہو رہا ہے۔ شاید اس لیے موج میلے سے ان کی دلچسپی پھلک پھلک کر باہر آ رہی ہے اور اسی وجہ سے موصوف بسنت جسے خونی کھیل کو بحال کرنے کے لیے خاصے بے قرار معلوم ہو رہے ہیں، بلکہ معلوم ہو رہا ہے کہ عالم دوبارہ نیست کا نغمہ ان کے انگ انگ سے پھوٹنے لگا ہے اور نہ جانے ابھی ان کے سینے میں کون کون سے ارمان مچل رہے ہیں۔ تاہم ہماری ان سے گزارش ہے کہ وہ اس خالص ہندوؤانہ تہوار جس کی نسبت تاریخِ اہانت رسول کی طرف بھی کرتی ہے، کو دوبارہ رواج دے کر معصوم بچوں اور بے گناہ انسانوں کی جان تلفی کا گناہ اپنے سر نہ لیں۔ اگر تاریخ کو صحیح مان لیا جائے تو اس تہوار کی اجازت کو مدینے والے کی محبت سے کون سا تعلق کہا جاسکے گا۔ خدارا اظہارِ رائے کی آزادی کو وہاں تک نہ لے جائیں جہاں آخرت متاثر ہو جائے۔

پیما کی چاہت نے ان کو سہاگن بنا دیا ہے اس لیے وہ جس طرح بھی چاہیں اپنے جی سے پھوٹنے والے لُڈوؤں سے لطف اندوز ہوں یہ ان کا حق ہے۔ وہ یقیناً اس بات سے بھی آگاہ ہوں گے کہ وہ اپنے خیالات کی جولانی اور خواہشات کی فراوانی میں قلبِ مسلم میں حبِ محمد ﷺ کی جو لو جل رہی ہے اس کا خیال ضرور رکھیں گے بلکہ اس کو باوصر سے بچا کر رکھنے کی کوشش بھی کریں گے کہ اس شمع کے جلنے سے ہی ہمارے وطن کی بقا ہے اور ہمارے دلوں میں اسی نورِ ہدایت کا اجالا ہے۔ دین محمد ﷺ کے احکام کا علماً و عملاً احترام کریں کہ بقائے دوام کی یہی کلید ہے۔ علامہ اقبال کیا کہہ گئے۔

کیا محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری

”یقیناً آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا (کام) ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“
ان نادانوں کو اتنی سمجھ نہیں آتی جو ہستی ساتوں آسمان، زمین اور ان کے مابین سورج، چاند اور ستاروں کا نظام چلانے اور عظیم الشان مخلوق بنانے پر قادر ہے وہ انسان جیسے کمزور و ناتواں وجود کو دوبارہ بنانے پر قادر کیوں نہیں؟ انسان کو بنانے والا مالک تو خود فرماتا ہے:

﴿وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا﴾ [النساء: ۲۸]

”اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔“

جو معمولی تکلیف پر بے قرار ہو جاتا ہے اور چند دن گزار کر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ کہاں یہ بنیان ضعیف اور کہاں یہ آسمان وزمین، مگر اتنی سیدھی اور صاف بات بھی ان نادانوں کو سمجھ نہیں آتی:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَعْ يَخْلُقْهُنَّ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُخَيِّبَ الْمُتَوْتِي بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [الأحقاف: ۳۳]

”اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا، وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے، کیوں نہیں، یقیناً وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔“

اس دلیل کے لیے مزید سورہ ق کی (آیت: ۷۶، ۷۷) کے تحت جو لکھا گیا ہے اس پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔

②..... ﴿بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ﴾ یہ دوسری دلیل ہے کہ کیوں نہیں، جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے پر قادر ہے، وہی سب کچھ پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ زمین و آسمان

﴿أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ فَسُبْحَنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝﴾

[یس: ۸۱-۸۳]

”اور کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور پیدا کر دے؟ کیوں نہیں اور وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے، اس کا حکم تو، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، اس کے سوا نہیں ہوتا کہ اسے کہتا ہے ”ہو جا“ وہ ہو جاتی ہے۔ سو پاک ہے وہ کہ اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی کامل بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“

ان آیات میں حیات بعد الممات پر مزید پانچ دلائل کا ذکر ہے:

①..... پہلی دلیل جو علم و عقل کے بالکل مطابق ہے کہ جو ہستی عظیم الشان آسمانوں کو اور اتنی وسیع زمین کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ انسان جیسے کمزور و ناتواں وجود کو دوبارہ پیدا کیوں نہیں کر سکتا؟

﴿عَآءَ أَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا ۝﴾

[النازعات: ۲۷]

”کیا پیدا کرنے میں تم زیادہ مشکل ہو یا آسمان؟ اس نے اُسے بنایا ہے۔“

ایک اور مقام پر ہے:

﴿لَخَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝﴾ [المؤمن: ۵۷]

جاننے والا ہے اور وہی کمال حکمت والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔“

قیامت کے بارے میں فرمایا:

﴿فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ [النازعات: ۱۳]

”پس وہ صرف ایک ڈانٹ ہوگی۔“

گویا کہا جائے گا اٹھو، تو وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اس لیے جب کسی شے کے بارے میں ”کُنْ“ فرمادے تو اس کی کیا مجال ہے کہ وہ نہ ہو۔ اسے زمین و آسمان کے خزانے آہستہ آہستہ بنا کے رکھنے اور محفوظ کرنے کی ضرورت نہیں وہ جہاں چاہتا ہے اور جس چیز کا خزانہ چاہتا ہے اس کے ”کُنْ“ کہنے سے بن جاتا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں مروی ہے:

ولو ان اولکم و آخرکم و حکمکم و میتکم و رطبکم و یابسکم اجتمعوا فی صعيد واحد فیسال کل انسان منکم ما بلغت امنیتہ فأعطیت کل سائل منکم ما نقص ذلك من ملکى الا کما لو أن احدکم مد بالبحر فغمس فیہ ابرة ثم رفعها إلیہ ، ذلك بانى جواد واجد ماجد افعل ما أريد ، عطائی کلام و عذابى کلام انما أمرى لشی اذا اردته ان اقول له کن فیکون .

(ترمذی: ۲۴۹۵، احمد: ۱۵۴/۵، ۱۷۷)

”اور اگر تمہارے پہلے اور پچھلے، اور تمہارے زندہ اور مردہ، اور تمہارے صحت مند اور بیمار ایک جگہ جمع ہو جائیں پھر تم میں سے ہر انسان اپنی خواہش کا اظہار کرے تو میں تمہارے ہر سائل کو دوں تو میرے خزانے میں اتنی سی کمی ہوگی کہ اگر کوئی دریا میں سوئی ڈبوئے پھر اسے اوپر اپنی طرف اٹھالے۔ یہ اس لیے کہ میں جواد ہوں، واجد ہوں، ماجد ہوں، جو چاہتا ہوں کرتا ہوں، میری عطا کلام ہے، میرا

ہوں یا انسان ہوں یا باقی سب مخلوق ہو سب کو پیدا کرنے والا وہی ہے۔ اور سب کچھ جاننے والا بھی وہی ہے۔ پہلے (آیت: ۷۹) میں جو فرمایا ہے: ﴿وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ﴾ یہاں اسی کو زوردار الفاظ سے دہرایا گیا ہے کہ وہ بڑا مہر خلاق ہے۔ گویا یہ مبالغہ اور صفت کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ اس جہاں میں اس نے انواع و اقسام کے غلے، رنگ برنگ کے پھل، مختلف وضع کے پھول، انسانوں کی مختلف شکلیں ان کی مختلف وضع و قطع، خصائص و عادات بلکہ پوری مخلوق میں یہ تنوع اس کے مہر خلاق ہونے اس صفت سے پوری طرح متصف ہونے اور اس کے وسیع علم پر روشن دلیل ہے کہ اس کے پاس چند ایک ڈیزائن نہیں بلکہ ان گنت ڈیزائن ہیں۔ پھر اسے اپنی مخلوق کے بارے میں بھی پورا پورا علم ہے۔ وہ جاندار ہو یا بے جان ہو وہ ہر ایک کی ضروریات کو بھی جانتا اور ان کے مصالح کو بھی پھر ان کے سر یا ونفایا سے بھی باخبر اور اس ظاہر سے بھی واقف ہے۔ اس لیے انسان مر کے مٹی بھی ہو جائے تو اسے علم ہے کہ اس کے اجزاء کہاں کہاں ہیں۔ جو اتنا قادر و عظیم ہو اس کے لیے اس کے اجزاء کو جوڑ کر دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا﴾ یہ تیسری دلیل ہے کہ کسی چیز کو بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کارخانے نہیں لگانے پڑتے۔ نہ ہی مشینوں کا انتظام کرنا پڑتا ہے بلکہ اس کا تو صرف ایک حکم چلتا ہے اور اس کی مشیت پر وہ چیز تیار ہو جاتی ہے۔ سورۃ الانعام میں فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْغَبِيرُ﴾ [الأنعام: ۷۳]

”اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن کہے گا ”ہو جا“ تو وہ (قیامت کا دن) ہو جائے گا، اس کی بات ہی سچی ہے اور اس کی بادشاہی ہوگی، جس دن صور میں پھونکا جائے گا، غیب اور حاضر کو

عذاب کلام ہے، کسی شے کے بارے میں میرا امر، جب میں اس شے کا ارادہ کرتا ہوں، یہ ہے کہ میں اسے کہوں ”ہوجا“ پس وہ ہوجاتا ہے۔“

یہ حدیث معمولی اختلاف سے صحیح مسلم (رقم الحدیث: ۲۵۷۷، کتاب الادب) میں بھی ہے۔ مؤلین نے یہاں ”کن فیکون“ کی حسب عادت تاویل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں حقیقتاً فرماتا نہیں بلکہ مجازاً سرعت تکوین مراد ہے۔ یہی اسی طرح جیسے یہ حضرات اللہ کی دیگر صفات کی تاویل کرتے ہیں۔ مگر قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں اس کا اطلاق ”یقول“ اور ”اقول“ سے ہوا ہے کہ میں کہتا ہوں کن ”ہوجا“ تو وہ ہوجاتا ہے۔

اس لیے یہاں اس شے کا فوراً ہوجانا ہی مراد لینا درست نہیں۔ اس میں دراصل قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ جب چاہتا ہے بلا تدریج فوراً ”ہوجا“ کہنے سے پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کسی چیز کا پیدا ہونا اس کی حکمت و مصلحت کی بنا پر بتدریج ہے تو وہ اسی طرح وجود میں آتی ہے۔ اس کا ہر فیصلہ اس کے علم و حکمت پر مبنی ہے۔

⑤..... ﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ یَبْدِیْ مَلٰکُوتَ کُلِّ شَیْءٍ﴾ یہ حیات بعد الممات پر معترضین کا چوتھا جواب ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ یہ امر محال ہے۔ کسی کام سے عجز و در ماندگی یہ انسان کی کمزوری اور اس کی عدم استطاعت کا نتیجہ ہے مگر اللہ ہر قسم کے عجز و نقص سے پاک ہے۔ اس کے لیے کوئی امر محال اور ناممکن نہیں۔ بلکہ ہر شے کا اختیار اور بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے وہ اپنی بادشاہت میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے جب ہر چیز پر بادشاہت اس کی ہی ہے تو بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کی قدرت اور بادشاہت سے خارج کیونکر ہے؟

”ملکوت“ یہ ”ملک“ کا مصدر ہے یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی ملک کے ساتھ خاص ہے۔ (مفردات)

﴿وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرٰہِیْمَ مَلٰکُوتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَیْکُوْنُ مِنَ الْمُؤَقِّیْنَ۝﴾ [الانعام: ۷۵]

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی عظیم سلطنت دکھاتے تھے اور تاکہ وہ کامل یقین والوں سے ہوجائے۔“

یعنی زمین و آسمان میں اپنی بادشاہت کے عجائبات اور اپنی مالکیت کے طریقے ابراہیم علیہ السلام کو دکھا دیئے۔ اس کی اس بادشاہت میں کوئی بھی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ اَدْعُوا الَّذِیْنَ رَعٰیْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِکُوْنَ مِشْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ وَ مَا لَھُمْ فِیْھَا مِنْ شَرِّکٍ وَ مَا لَھُ مِنْھُمْ مِّنْ ظَہِیْرٍ۝﴾

[سبأ: ۲۲]

”کہہ دو پکارو ان کو جنہیں تم نے اللہ کے سوا گمان کر رکھا ہے، وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر کے مالک ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔“

بلکہ یہ بھی فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِّنْ دُوْنِہٖ مَا یَمْلِکُوْنَ مِّنْ قُطُبٍۭ۝﴾ [فاطر: ۱۳]

”اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے مالک نہیں۔“

دنیا میں جو بادشاہ ہیں یہ درحقیقت اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔

﴿قُلْ اَللّٰھُمَّ مُلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تَعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُزِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیْدِکَ الْغَیْبُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝﴾

[آل عمران: ۲۶]

”کہہ دے اے اللہ! بادشاہی کے مالک! تو جسے چاہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے اور جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں ہر بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر

⑤..... ﴿وَالَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ یہ پانچواں جواب ہے کہ جس طرح اللہ نے تمہاری ابتدا کی ہے اسی طرح اللہ کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ تمہارے لیے اس کی طرف لوٹنے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ طوعاً اور کرہاً تمہیں اس کے ہاں پہنچانا ہے۔ اسی کی جانب سے مبداء ہے اور اسی کی طرف معاد ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی طرف لوٹنا ہڈیوں کے زندہ ہونے سے ہی ہوگا۔ اگر اللہ کی طرف لوٹنے کو تسلیم نہ کیا جائے تو دنیا کا وجود کھیل تماشا بن کے رہ جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ جہاں عبث اور بے غرض و غایت نہیں بنایا۔ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل نہیں کہ تماشا ختم اور پیہم ہضم۔

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ [المؤمنون: ۱۱۵]
 ”کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ ہم نے تمہیں بے مقصد ہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ بے شک تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟“

اسی طرح زمین و آسمان کے بارے میں فرمایا:
 ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ﴾ [ص: ۲۷]
 ”اور ہم نے آسمان و زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو بے کار پیدا نہیں کیا۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا، سو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا آگ کی صورت میں بڑی ہلاکت ہے۔“

کافرو تو یہی سمجھتا ہے کہ بابر بعیش گوش کہ عالم دوبارہ نیست۔
 ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ [المؤمنون: ۳۷]
 ”نہیں ہے یہ (زندگی) مگر ہماری اس دنیا کی زندگی، ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں۔“
 (باقی صفحہ نمبر ۹ پر ملاحظہ کیجیے)

پوری طرح قادر ہے۔“

حقیقی بادشاہی چونکہ اسی کی ہے اس لیے حمد و ثنا بھی اسی کے لیے ہے:
 ﴿يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

[التغابن: ۱]

”اللہ کا پاک ہونا بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کی سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“

اسی کا بیان سورہ بنی اسرائیل (آیت: ۱۱۱) میں ہے اور حجاج و معتزین باواز بلند اسی کا اعتراف و اعلان کرتے ہوئے مالک الملک کے گھر حاضری دیتے ہیں۔ دنیا کا مالک بھی وہی ہے اور مالک یوم الدین بھی وہی ہے۔ یعنی دنیا میں بھی اسی کے فیصلے ہیں اور آخرت میں بھی اسی کے فیصلے ہوں گے۔

﴿وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ﴾ [الانفطار: ۱۹]

جب حقیقت یہ ہے تو قیامت کا انکار محض تکبر و تمرد کا نتیجہ ہے۔ حافظ ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ ملک اور ملکوت ایک ہی معنی میں ہیں جیسے رحمت اور ”رحمت“، رہبہ اور ”رہبوت“، جبر اور ”جبروت“ ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ ملک سے عالم الاجساد اور ملکوت سے عالم ارواح مراد ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں یہی جمہور مفسرین کی رائے ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز پڑھی تو آپ نے تکبیر تحریر یہ کہی، پھر یہ دعا پڑھی:

((اللہ اکبر ذو الملکوت والجبروت
 والکبرياء والعظمة .)) (أبوداود، نسائی وغیرہ)
 ”اللہ بڑا ہے، بادشاہت والا اور قدرت و طاقت والا اور بلندی والا اور عظمت والا ہے۔“

کتاب الایمان

ترجمہ: ابو حمزہ عبدالحمید المرینی

مؤلف: ابو بکر ابن ابی شیبہ

کی نماز اور روزہ تمہیں کسی دھوکہ میں نہ ڈالے، جو چاہے روزہ رکھ لے اور جو چاہے نماز پڑھ لے۔ اس شخص کا دین نہیں ہے جو امانت دار نہیں ہے۔“

۱۴۔ عن عمیر بن حبیب بن خماسة أنه قال: ((الایمان یزید وینقص، فقیل فما زیادته، وما نقصانہ؟ قال: إذا ذکرنا ربنا وخشیناه فذلک زیادته، وإذا غفلنا ونسینا وضعینا فذلک نقصانہ.))

”عمیر بن حبیب بن خماسة کہتے ہیں: بے شک شان یہ ہے کہ ایمان کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی زیادہ، کہا گیا: اس کی زیادتی کیا ہے اور اس کی کمی کیا ہے؟ کہنے لگے: جب ہم اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں تو یہ اس کا زیادہ ہونا ہے، اور جب ہم غفلت برتتے ہیں، بھول جاتے ہیں اور (فرائض) ضائع کر دیتے ہیں تو یہ اس کا کم ہونا ہے۔“

۱۵۔ عن ابن عمر أنه کان یقول: ((اللهم لا تنزع منی الایمان کما أعطیتنیہ.))

(صحیحہ الالبانی)

”ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! مجھ سے ایمان کو سلب نہ کر جس طرح کہ تو نے مجھ کو وہ عطا کیا ہے۔“

۱۶۔ عن أبي هريرة قال: ((الایمان نزہ فمن زنا فارقه الایمان، فمن لام نفسه وراجع راجعه الایمان.))

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایمان لانا برائی سے دور ہونا ہے۔“

۱۰۔ عن هشام عن أبيه قال: ((ما نقصت أمانة عبد قط إلا نقص إيمانه.))

”ہشام اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں: کبھی بھی کسی بندہ کی امانت داری کم نہیں ہوتی مگر اس کا ایمان (امانت داری میں کمی کے ساتھ) کم ہو جاتا ہے۔“ (یعنی امانت داری کی کمی کے ساتھ ایمان بھی کم ہوتا ہے۔)

۱۱۔ عن عبيد بن عمير قال: ((الایمان هیوب.))

”عبید بن عمیر کہتے ہیں: ایمان بہت ہیبت والا ہوتا ہے۔“ (یعنی صاحب ایمان کی بہت ہیبت ہوتی ہے، یا مومن بہت ڈرنے والا ہوتا ہے۔)

۱۲۔ عن نافع بن جبير: أن رسول الله ﷺ بعث بشر بن سحيم الغفاري يوم النحر ينادي في منى: ((انه لا يدخل الجنة إلا نفس مؤمنة.)) (صحیحہ الالبانی)

”نافع بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: بے شک رسول اللہ ﷺ نے بشر بن سحیم غفاری رضی اللہ عنہ کو قربانی والے دن (یوم النحر کے دن) بھیجا وہ منی میں یہ آواز لگائیں بے شک شان یہ ہے کہ جنت میں صرف مومن نفس ہی داخل ہوگا۔“

۱۳۔ عن عروة عن أبيه قال: ((لا يغرنكم صلاة امرئ ولا صيامه، من شاء صام، ومن شاء صلى، لا دين لمن لا أمانة له.))

”عروہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہتے ہیں: کسی آدمی

سو جس شخص نے زنا کیا تو ایمان اس سے جدا ہو گیا، جس شخص نے اپنے آپ کو ملامت کی اور رجوع کر لیا تو ایمان بھی اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔“

۱۷۔ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا.))

(صحیح)

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں سے سب سے زیادہ ایمان والا آدمی ان میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔“

۱۸۔ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا.))

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں سے زیادہ مکمل ایمان والا آدمی وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو۔“

۱۹۔ عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ:

((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا.))

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں سے زیادہ مکمل ایمان والا آدمی وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو۔“

۲۰۔ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((أكمل المؤمنين إيمانا أحسنهم خلقا.))

”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مومنوں میں سے زیادہ مکمل ایمان والا آدمی وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہو۔“

۲۱۔ عن سعيد بن جبیر قال: قال ابن عمر: ((إن الحياء والإيمان قرنا جميعا، فإذا رفع أحدهما رفع الآخر.))

”عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: حیا اور ایمان ملا دیے گئے ہیں جب ان میں سے ایک زائل ہو تو دوسرا بھی ساتھ زائل ہو جاتا ہے۔“

بقیہ: تفسیر سورہ یس

ان کی اس فکر کا نتیجہ ہے کہ انسان کا پیدا کرنا، زمین و آسمان اور اس پورے کارخانہ قدرت کا پیدا کرنا محض عبث، بے کار اور بے نتیجہ ہے۔ جب کہ ایک مومن صادق زمین و آسمان اور اس کے مابین سارے نظام پر غور و فکر کر کے پکار اٹھتا ہے:

﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا سُبْحَنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [آل عمران: ۱۹۱]

”اے ہمارے رب! تو نے یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے، سو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“

اس سارے نظام کا نتیجہ ایک دن نکلنے والا ہے۔ جس نے دنیا میں آنے کا مقصد سمجھ لیا وہ تو کامیاب رہا۔ یہ کامیابی یہی ہے کہ اللہ جنم سے بچالے:

﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ﴾ [آل عمران: ۱۸۵]

”پھر جو شخص آگ سے دور کر دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔“

یہاں کے سارے عیش و عشرت عارضی اور فانی ہیں۔ کامیابی یہ ہے کہ انسان جہنم سے بچ کر جنت میں چلا جائے۔ اسی آخرت کے فکر اور اس کے یقینی ہونے پر سورہ یس کی ان آخری آیات میں مختلف دلائل کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا کی حقیقت سمجھنے اور اپنی رضا کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلَيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ.

علم کی فضیلت اور آداب

محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ ترجمہ: خزیمہ رشید کیلانی

انسان علماء کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے، ورع و تقویٰ والے، پرہیزگار اور اللہ کے محسن بندوں میں شمار ہوتا ہے۔ دین کے طالب علم کے لیے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص علم کو تلاش کرتے ہوئے ایسے رستے پر چلا تو اللہ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔“

(احمد: ۱۹۶/۵)

اور فرمایا:

”بے شک فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے جو وہ کام کر رہا ہوتا ہے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ اور عالم کے لیے زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی دعائے مغفرت کرتی ہیں۔“ (احمد: ۱۹۶/۵)

”ایک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے کہ چاند کی تمام ستاروں پر۔“ (احمد: ۱۹۶/۵)

اور فرمایا:

”بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ بے شک انبیاء درہم و دینار کے وارث نہیں بناتے وہ تو علم کے وارث بناتے ہیں۔ لہذا جو بھی اس میں سے کچھ حاصل کرے تو اس نے وافر حصہ حاصل کر لیا۔“ (احمد: ۱۹۶/۵)

حتیٰ کہ جس نے کسی کو علم سکھایا تو اس کے لیے عمل کرنے والے کی ہی طرح اجر ملتا رہے گا۔ اجر میں کمی نہ ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جب تم پھولوں کے باغات میں سے گزرو تو چن لیا کرو۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا: ”ریاض الجنۃ“ کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہیں۔ وہ ذات جو کسی کے ساتھ جب بھلائی کا ارادہ کرے تو دین کا علم اور سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے اور تمام جہانوں میں علماء کی قدر و منزلت کو بلند فرماتا ہے۔ اور میں ایک اللہ کے لاشریک ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔ وہ ذات جس نے اپنی ذات مبارکہ کے لیے وحدانیت کا اقرار و گواہی دی۔ اور علماء مومنین اور ملائکہ نے بھی اسی بات کی گواہی دی۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جنہیں تمام جہانوں کے لیے بہ طور ہادی مبعوث کیا گیا اور تمام لوگوں پر جنت اور راہنما بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت تک اپنی رحمتیں آپ، آپ کی آل، اصحاب اور ان کے پیروکاروں پر نازل فرمائے۔

اما بعد! اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اپنے دین کا علم و تفقہ حاصل کرو۔ اسی لیے تو جب اللہ تعالیٰ کسی سے بھلائی و خیر کا ارادہ کرتا ہے تو دین میں سمجھ و شعور عطا فرما دیتے ہیں۔

”دین کی سمجھ“ میں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام مع دلائل اور ان احکامات کو ترک اور ان پر عمل کرنے کے اعتبار سے جو ثواب و عقاب مرتب ہوتا ہے شامل ہے۔ اور اسی طرح جو شخص علی وجہ البصیرت اللہ کی عبادت کرے اس کی سمجھ بھی اسی میں شامل ہے۔ اور یہی تفقہ فی الدین اللہ کے بندوں کے لیے ان کی عبادات و معاملات میں خواہ وہ کتنے ہی پیچیدہ اور بڑے ہوں بہ طور منفعت ہوتی ہے۔ تفقہ فی الدین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماتے ہیں اور بندے کا عمل اس کی زندگی اور موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے، اور اسی وجہ سے انسان انبیاء کا وارث بنتا ہے۔ انسان کے لیے جنت کا حصول اور رب تعالیٰ جو کہ آسمان و زمین کا مالک ہے سے ملاقات آسان ہو جاتی ہے۔

”علم کی مجالس۔“ (احمد: ۱۵۰/۳)

ایک روایت میں ”علم کے حلقے“ کے الفاظ آتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جب یہ روایت بیان فرماتے تو فرماتے: ”رہی میری بات تو میں تو اس سے فقہ کی مجالس و حلقہ جات مراد لیتا ہوں نہ کہ قصہ گوئی کے حلقے۔“

(کتاب الآثار: ۲۱/۱)

مسند امام احمد بن حنبل میں سیدنا قبصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”کس غرض سے آئے ہو؟“ میں نے کہا: ”میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں کمزور ہو چکی ہیں، اور میں آپ کے پاس ایسا علم سیکھنے آیا ہوں جس سے اللہ رب العزت مجھے نفع عطا فرمائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اے قبصہ! جہاں بھی تم کسی پتھر، درخت یا گارے کے پاس سے گزرے ہو تو اس نے تمہارے لیے استغفار کیا ہے۔“ (احمد: ۶۰/۵)

سو یہ تمام احادیث، امثلہ اور ان سطور میں جو کچھ ذکر ہوا ہے۔ علم شرعی کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں، اور اسی طرح سیکھنے و سکھانے میں بھی یہی فضیلت ہے۔ اور کیوں نہ رسول اللہ ﷺ کے دین کی حفاظت اور علم کی حفاظت میں انسان کو یہ فضیلت حاصل ہو اور کیوں نہ تقفہ فی الدین کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بلند درجات عطا فرمائے، اور انسان جس بھی بہترین بھلائی کی امید کر سکتا ہے وہ حاصل ہو سکتی ہے۔ تم جان لو کہ تم میں سے جو بھی علم کی ایک مجلس میں بیٹھے، مسئلہ سیکھے، عمل کرے، اپنے بھائی کو علم دے، اللہ ایسے بندے پر رحمت فرماتے ہیں۔ ایسا شخص بھلائی کو پالیتا ہے اور اس کا اجر جاری ہو جاتا ہے۔ جو اس پر عمل کرے اس کا اجر بھی تا قیامت اس کو ملتا رہے گا، اور علم کی فضیلت ایسے شخص کو ہی ملتی ہے جو دین کا علم اور فقہات کثرت سے حاصل کرے۔ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ عنقریب ایسے شخص کو ضرور اجر دے گا جو اس پر عمل کرے گا۔ اگرچہ وہ عمل قلیل ہو، اور ایسے لوگ رتی بھر بھی ظلم نہ کیے جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”میری طرف سے ایک آیت بھی ملے تو اسے آگے پہنچا

دو۔“ (احمد: ۱۹۶/۵)

اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ [فصلت: ۳۳]
”اور کس کی بات زیادہ اچھی ہو سکتی ہے اس شخص سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور صالح عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔“

اور اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں میرے اور آپ کے لیے برکت رکھے، اور آیات و ذکر حکیم سے بھی نفع عطا فرمائے۔ اور اے لوگو! اللہ سے ڈرتے ہوئے اسی کی طرف وسیلہ تلاش کرو، اور علوم شرعیہ کو سمجھنے اور حاصل کرنے کا شوق پیدا کرو، اور شرعی علم سے کثرت اجر کے مستحق بن کر پوری بصیرت و علم سے اللہ کی عبادت کرو کیونکہ انبیاء علیہم السلام علم کا وارث بناتے ہیں نہ کہ درہم و دینار کا۔

میرے بھائیو! جہالت کی بہتات ہے اور ہر طرف انتشار پھیلا ہوا ہے، یہاں تک کہ علماء کی تعداد میں کمی ہونا شروع ہو گئی ہے اور آپس میں ہی علماء دست و گریباں ہیں۔ اور یہ بات بہت بڑے خطرے کی نشانی ہے۔ جب تک اس امت میں ان کے نبی کی میراث رہے گی تو بھلائی کی علامت ہے۔ اگر یہ میراث گم ہو گئی تو پھر اللہ کی پناہ۔ پس اس امت کے دین و ایمان پر سلامتی ہو۔

اے مسلمانو! اپنے دین کو سمجھو، اور جو سمجھا ہے عمل بھی کرو اور مجالس علم میں شرکت کرو کیونکہ یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم ریاض الجنۃ سے گزرو تو چن لیا کرو۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ریاض الجنۃ سے کیا مراد ہے یا رسول اللہ؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مجالس علم۔“ اور فرمایا: ”جو ایسے راستے پر چلا جس میں اس نے علم تلاش کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے آسان بنا دیتے ہیں۔“

اسی طرح ارشاد فرمایا:

”جو قوم اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتی ہے

اللہ کی کتاب تلاوت کرتی ہے اور آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے قریب جو ہوتا ہے اللہ ان میں ان کا ذکر فرماتے ہیں۔“
(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۹۹)

اور فرمایا:

”جس سے اللہ تعالیٰ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا کر دیتے ہیں۔“

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۷۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۳۷)

اے اللہ کے بندو! خیر طلب کرو، جنت کی راہ پر چلو، اس کے باغات سے چنو، علم طلب کرو اور اس کی طلب میں کوشش کرو، اور نبی ﷺ نے جس چیز کا تم کو وارث بنایا ہے۔ اس علم کو حاصل کرو، قبل اس کے کہ تمہاری زندگی ختم ہو جائے، جہالت کا دور دورہ ہو جائے، خطرات امنڈ آئیں، علم حاصل کرو کیونکہ دنیا میں شرف کا باعث اور آخرت میں ذخیرہ اجر ہے۔ اور جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے تین اعمال کے علاوہ تمام عمل ختم ہو جاتے ہیں:

صدقہ جاریہ، علم نافع (جس سے لوگ بعد میں نفع اٹھاتے رہیں، صالح اولاد جو (والدین کے لیے) دعا کرے۔ یقیناً اسلاف اپنے اموال خرچ کر دیتے تھے، اپنی عمریں کھا دیں، دن رات محنت کرتے تھے تاکہ علم حاصل کریں، تاکہ وہ (اسلاف) اس علم سے امت کو فائدہ پہنچائیں۔

اللہ کی قسم! اسلاف نے عظیم اور فائدہ مند تجارت کی، دنیا و آخرت کی خوش بختی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی طرف صرف ایک حدیث کے لیے ایک ماہ کا سفر کیا، اور کئی (اسلاف) کئی کئی رات دن سفر میں گزار دیتے، تاکہ حدیث کا علم حاصل کریں۔ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی تھا جس کا تعلق بنی امیہ ابن زید سے تھا۔ جن کا تعلق مدینہ کی بلندی والی جگہ سے تھا۔ ہم باری باری نبی

ﷺ کی حفاظت کر رہے ہوتے تھے۔ ایک دن وہ اور ایک دن میں، جس دن میں حفاظت پر مامور ہوتا تو آپ ﷺ پر جو وحی یا کوئی دوسری بات ہوتی تو وہ خبر لے کر آتے، اور جب ان کی باری ہوتی تو وہ بھی ایسے ہی کرتے۔ اس طرح ہمارے سلف صالح کیا کرتے تھے، اس طرح وہ سفر کرتے اور طلب علم کے لیے اپنی اپنی باریاں مقرر کرتے تھے اور اسی طرح معاش کے حصول میں بھی (یعنی ایک دن ایک کمائے دوسرا علم حاصل کرے پھر اگلے دن پہلا علم اور دوسرا معاش کی فکر کرے۔) یہ سب کچھ اس وجہ سے کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی علم کے بارے محبت کو جانتے تھے۔ اور اس کے طلب کرنے میں خیر اور اجر کثیر کا بھی علم رکھتے تھے حتیٰ کہ حدیث میں تو یہاں تک فضیلت آئی ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا:

”اے ابوذر رضی اللہ عنہ! تو اس حال میں صبح کرے کہ تو کتاب اللہ میں سے آیت کا علم حاصل کرے۔ یہ تیرے سو (۱۰۰) رکعت پڑھنے سے بہتر ہے، اور تو اس حال میں صبح کرے کہ تو علم کے ابواب میں سے کچھ دیکھے خواہ اس کے ساتھ عمل کیا جائے یا نہ، تیری ایک ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔“

(ابن ماجہ: ۲۱۹)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”طلب علم افضل عمل اس شخص کے لیے ہے جس کی نیت صحیح ہو۔“ اور فرمایا: ”علم کی کوئی برابری نہیں کر سکتا۔“ اور کہا کرتے تھے: ”رات کے کچھ حصے میں آپس میں علم میں مشغول رہنا مجھے پوری رات جاگتے رہنے سے پسند ہے۔“

طلب علم کے مختلف طریقے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ایسی معتمد کتاب لیں جس پر یقین اور وثوق کیا جاتا ہے۔ آپ اس کو پڑھیں اور علم حاصل کریں اور جو اشکال آپ کو پیش آئیں ان کے بارے میں اہل علم سے سوال کریں۔ فارغ اوقات میں یہ کام سب سے آسان ہے کہ آپ گھر بیٹھے بیٹھے ہی علم کا ادراک اور فہم حاصل کر لیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ مساجد میں جائیں جہاں امام مسجد یا کوئی صاحب علم درس دے رہا ہو اس کا درس سماعت فرمائیں۔

اسی سی پہچانا جاتا ہے۔ انسان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اپنے رب کی عبادت کیسے کرے، کیسے غسل کرے، وضو کرے، کیسے نماز و زکاۃ ادا کرے، روزہ رکھے اور حج ادا کرے، انسان حق و باطل میں فرق و امتیاز کرتا ہے۔ حلال و حرام، واجب و مننون، صحیح غلط، لوگوں سے حسن اخلاق، والدین سے نیکی، اعزہ و اقارب سے صلہ رحمی، دوست سے دوستی اور دشمنی کی حد کیا ہے یہ سب کچھ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے سے ہی ہوتا ہے۔ علم ہی وہ ذریعہ ہے جس سے اس بات کی معرفت ملتی ہے کہ تجارت کے معاملے میں رہن و ضمانت، فیصلہ و قضا کے بارے میں لوگوں سے کیا معاملہ روا رکھا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو بیع کرتے ہوئے نرمی کرے، خریدتے ہوئے نرمی روا رکھے، فیصلہ کرتے ہوئے نرمی کرے، فیصلہ کرواتے ہوئے بھی نرمی روا رکھے۔ (احمد: ۳۴۰۳، صحیح بخاری: ۲۰۷۶)

علم ہی سے حق اور اسے ادا کرنے، حق پہچاننے، حق کو طلب کرنے اور دینے، وصیت اور اس کا نفاذ، نکاح و طلاق کے معاملات سے انسان روشناس ہوتا ہے۔ اسی سے وہ انسان (جسے توفیق دی گئی ہو) اپنی قوم و امت کو علم و ارشاد (ہدایت) کی روشنی میں لے کر چلتا ہے، جب کسی قوم کو جہالت، فتنے، اور فساد اپنی تاریکی کی دیز تہوں میں چھپا لیتے ہیں۔ ایسا (عالم) انسان لوگوں کو سیدھے راستے پر گامزن کرتا ہے، اور صحیح منہج ان پر واضح کرتا ہے، کوئی بھی شخص ہو خواہ وہ رئیس ہو، اعلیٰ و افضل سردار ہو، وجہ یہ ہو یا کتنا ہی اس نے مال کما لیا ہو، اس کی قدر و منزلت علم والے سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾ [المجادلة: ۱۱]

”اللہ تعالیٰ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جو علم والے

ہیں ان کے درجات بلند فرمائے گا۔“

”اور جو شخص ایسے راستے پر چلا جس میں وہ علم تلاش کرے تو

اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں۔“

لہذا اے لوگو! تم میں سے جو بھی استطاعت رکھے اور فراغت کے

اور یہ دروس وغیرہ ائمہ مساجد کے شایان شان بھی اس لیے ہیں کہ وہ اجرا و خیر کی نیت رکھتے ہیں اور لوگوں کے لیے وہ قراءت کرتے ہیں جس میں عوام کی توجہ اور دنیا و آخرت کی بھلائی اور فائدہ بھی ہو۔ یہ طریقہ بھی نشر علم کا سبب ہے اور اہل علم و ائمہ کو چاہیے کہ ایسی کتب کا انتخاب کریں جو نفع مند اور سامعین کے لیے مناسب حال ہوں۔

میرا نہیں خیال کہ ہم نے جو علم کی فضیلت میں بیان کیا ہے جس نے بھی سماعت کی ہے اگرچہ اتنا کچھ بیان ہونے کے باوجود تھوڑا ہے مگر اس کے لیے زیادہ ہے جو اپنی محنتیں طلب علم میں صرف کر دے، اور مجالس علم میں حاضری دینے کا شوق رکھتا ہو، کسی مسئلہ کا سمجھ آنا، اس سے فائدہ ہونا، اور دوسروں کو سکھانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اس کی زندگی اور موت کے بعد بھی اسے اجر ملتا ہی رہے گا۔

یہ نہ ہو کہ شیطان تم کو ذکر کرنے اور طلب علم سے ہی روک دے، اپنے اوقات کو بالکل ضائع نہ کریں اور جن امور میں کوئی فائدہ نہ ہو تو انھیں بھی ترک کر دیں۔ لہذا اے مسلم قوم! اللہ کا فرمان بھی سنتے جائیں:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا

يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر: ۹]

”کہہ دیجیے کیا علم والے اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر: ۲۸]

”اللہ کے بندوں میں سے تو صرف علماء ہی اللہ سے

ڈرتے ہیں۔“

اے لوگو! اللہ سے ڈر جاؤ، بے شک جو علم والا ہے اور جو علم سے محروم ہے وہ کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتے ہیں۔ دین کی فقہت ایک ایسا نور ہے جس سے انسان اپنی عبادت اور عقیدے کی روشنی میں اپنے رب کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح اپنے معاملات و اخلاق کی روشنی میں انسان اپنے رب کے بارے جو عقیدہ رکھتا ہے

الفور کے تحت تھا۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ ہماری زندگی کو اللہ تعالیٰ خیر و برکت اور علم نافع کے حصول والا بنادے۔ معلمین، متعلمین اور ایسے لوگ جو امور متعلمین کے نگہبان بنائے گئے ہیں ان کے متعلق چند گزارشات کرتا ہوں۔

رہی بات معلمین کی تو سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ علوم کو سمجھنے اور فہم میں رغبت پیدا کریں جو کہ تلامذہ کو سمجھانے ہیں، اور طالب علم کے سامنے کھڑا ہونے سے پہلے ان کو اچھی طرح سمجھے، حتیٰ کہ کوئی بھی طالب علم تشریح اور مناقشہ کے وقت حیران و پریشان نہ ہو، کیونکہ ایک معلم کو طالبان علم کے آگے کھڑی کرنے والی سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ وہ اپنے علم اور اس میں توجہ کرنے میں مضبوط اور قوی ہو، جب کوئی معلم بغیر سمجھے طالب علم کے سامنے کھڑا ہوگا تو وہ اپنی امانت میں خیانت برتے گا، اور یہ بات مناقشہ اور شرح کے وقت ظاہر ہوتی ہے، جب طلباء کسی مشکل سوال میں الجھ جائیں تو ان کے انحطاط کے بارے میں کبھی نہ پوچھیں۔ اگر کوئی غلط جواب دے تو ایسا نہ ہو کہ کہیں آپ آئندہ اس پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، اگر کسی کو نہ آئے تو پھر سب کو ڈانٹیں ورنہ کسی ایک کو سب کے سامنے نہ ڈانٹیں، اس طرح طلباء کے درمیان سزا دینے سے ان پر برا اثر پڑے گا۔ یہی ایک معلم کے لیے سنہری موقع ہوتا ہے کہ اس کے پاس استعداد ہو، تحمل و صبر کا مظاہرہ کرے، معلم کو چاہیے کہ احسن طریقے سے بچوں کو پڑھائے، اور ایسے طریقے اختیار کرے کہ معانی سمجھنا آسان ہو، جس علم کے بارے وہ مناقشہ کر رہے ہیں اس کے متعلق مختلف اقسام کی مسئلہ پیش کرے۔ اور مسئلہ کو کبھی ماضی کے تناظر میں پیش کرے اور کبھی حال کے ساتھ معلق رکھے۔ طلباء کی ایسی حالت ہو کہ وہ یہی گمان کریں کہ ان کو اپنے استاد کی اتباع میں رغبت ہے، معلم کو چاہیے کہ اخلاص اور توجہ سے کام لے، اور اپنی تعلیم کے ساتھ یہ نیت بھی کرے کہ وہ اپنے شاگردوں پر مہربانی، احسان، ان کی دین و دنیا کے اعتبار سے نفع مند راستے کی طرف راہنمائی کر رہا ہے، اور شاگردوں کے ساتھ ایک رحیم

لمحات پائے جس میں وہ علم طلب کرے اسے حاصل کرے تو یہ بہت افضل چیز ہے، یہ بہت بڑی نعمت اور بیش قیمت غنیمت ہے۔ طلب علم کے لیے فراغت موجودہ زمانے میں بہت اہمیت رکھتی ہے جب کہ اللہ کے دین کو سمجھنے والوں کی تعداد (آٹے میں نمک کے برابر) کم ہے۔ اکثر لوگ دنیا اور دنیاوی عزت کے حصول کو طلب کرتے ہیں۔ اور جو اس کی بھی اہمیت نہیں رکھتا اسے کم از کم علماء کی مجالس میں شرکت کرنی چاہیے، سماع کرنا چاہیے۔ اہل علم کی مجالس سے استفادہ کر کے دوسروں کو فائدہ دے، اور اہل علم کو چاہیے کہ کچھ وقت فارغ نکال کر لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔ انھیں علم دین، اور ان کے لیے مسائل، مناقشہ کے دروازے کھولیں تاکہ یہ مجالس ان کے لیے فائدہ مند بن جائیں اور جو شخص مجالس علم کو سننے اور بیٹھنے کی استطاعت نہیں رکھتا، تو یہ بھی بہت ہے کہ وہ صرف ان امور کے متعلق ہی سوال کر لے جس کے بارے میں جاہل رہنے کی دین اور دنیا میں گنجائش نہیں ہے اور جو بندہ کسی ثقہ عالم سے فتویٰ طلب کرے تو اس کو چاہیے کہ جو فتویٰ دیا گیا ہے اسے سے باندھ لے، اس پر عمل کرے، اپنی خواہشات کو ترک کر دے، اور جو فتویٰ مناسب معلوم نہ ہو اسے ترک کر کے کسی دوسرے ثقہ عالم کے پاس چلا جائے اور جو شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے دوسرے عالم کے پاس گیا تاکہ اس کی خواہش کے مطابق فتویٰ دیا جائے تو یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی رخصتیں تلاش کرتا پھرے اور اللہ کے دین کے ساتھ مذاق کرے اور ہدایت کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرے۔ لیکن اگر یہ بات واضح ہو جائے کہ مفتی کا فتویٰ کتاب و سنت کے مخالف ہے تو اسے فتویٰ چھوڑ دینا چاہیے، بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس فتویٰ پر عمل کرے جو کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ اور اسی طرح جب کوئی مفتی سے فتویٰ لے اور اس سے بہتر کوئی عالم اس جگہ نہ ہو، اور نیت بھی یہ ہو کہ جب اس نے ایسے عالم سے مسئلہ پوچھنا ہے جو علم میں پہلے سے برتر ہو کیونکہ پہلے والا فتویٰ اپنے علاقے کے مفتی سے بہ طور ضرورت پوچھا تھا۔ لہذا اب برتر عالم سے پوچھنا باعث حرج نہیں ہے کیونکہ پہلا فتویٰ ضرورت اور علی

کار اور فارغ نہ رہنے دیا جائے، کہیں اپنی زندگیاں اور مستقبل داؤ پر نہ لگا دیں، اور اگر طلب علم فارغ رہیں تو یہ انتہائی ظلم، ضیاع وقت اور غفلت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْجِبَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾

[التحریم: ۶]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، اس پر سخت دل، بہت مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں۔“

اور فراغت تو اس مسئولیت کو پیٹھ پیچھے ڈالنے کے مترادف ہے جس کے بارے میں نبی ﷺ نے تلقین فرمائی ہے اور فرمایا ہے:

”انسان اپنے گھر کا نگہبان اور منتظم ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔“ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۸۹۳)

اے ہمارے مالک ہمیں اپنی ماتنوں کی حفاظت اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیے۔ اور اپنے بندوں کے حقوق اور اپنے حقوق کو ادا کرنے میں ہماری اعانت فرما۔ ہمیں ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو معاف فرما اور بخش دے۔ بے شک تو غفور و رحیم ہے۔

اظہار تعزیت

حضرت مولانا محی الدین لکھوی رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ اور پروفیسر ڈاکٹر حماد لکھوی، پروفیسر حمود لکھوی صاحبان وغیرہ کی والدہ کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر دلی صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دعا ہے اللہ رب العزت مرحومہ کی حسنت کو شرف قبولیت سے نوازے، اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔ (محمد حسن سعید)

وکریم باپ والا سلوک کرے تاکہ طلباء پر اس کا اچھا اثر پڑے اور ان کے دلوں میں استاد کی محبت موجزن ہو جائے اور معلم کو اپنے اندر اخلاق فاضلہ اور بلند عالی آداب کا حامل ٹھہرا کر ان کا اظہار کرنا چاہیے جن کی اساس و بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ کیونکہ معلم اپنے تلامذہ کے لیے ایک رہبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ علم و عمل کے اعتبار سے، اور پھر ہی اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ طلباء علم سے اخلاق و آداب کے وہ گرنہیں سیکھتے جو اپنے معلم سے سیکھتے ہیں۔ کیونکہ معلم کا اخلاق اس کا اپنا آئینہ ہوتا ہے جو اس کے متعلق سب کچھ بتا دیتا ہے۔ اس کے ظاہر و باطن کو خفیہ نہیں رہنے دیتا۔

اور متعلمین کے لیے ضروری ہے کہ اپنی کوششیں کاوشیں پہلے سال سے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے صرف کرنا شروع کر دیں، اور علم کے لیے اتنی کوششیں کریں کہ علم کا حقیقی ادراک ہو جائے، اور ان کے دلوں میں مستقر ہو جائے، ان کے نفوس علم کے راسخ ہونے کی گواہی دیں۔

لہذا علم کے متلاشیو! جب تم پہلے سال سے ہی علم کے لیے جدوجہد کرو گے تو تمہیں علم کا تھوڑا سا حصہ ملے گا، آہستہ آہستہ اگر جدوجہد کرتے رہے تو علم تمہارے لیے آسان ہوگا۔ تمہارے نفوس میں راسخ ہو جائے گا۔ اور آخری سالوں میں تم آرام محسوس کرو گے، اگر تم نے پہلے سال ہی کوتاہی برتنی شروع کر دی، اپنے اسباق میں پیچھے رہے تو بعید نہیں کہ آخری سالوں میں آپ فوائد سمیٹنے سے محروم رہیں اور آپ کا سال مکمل ضائع ہو جائے۔

متعلمین اور تلامذہ کی مراعات کے لیے مدیر، اور علم کی سرپرستی کرنے والوں پر واجب ہے کہ ان کی مراعات و وجہ پوری کریں، اور اپنے ماتحت لوگوں کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ کیونکہ ان سے اس کے متعلق سوال ہوگا۔

اور طلباء کے متعلقین جن میں والدین، بھائی اور دیگر رشتہ دار شامل ہیں کو چاہیے کہ اپنی اولادوں کو علم میں کھپا دیں، اور ان کی سیرت، علمی، عملی، فکری اور اخلاقی نیچ کو پروان چڑھائیں، ان کو بے

ضروریات و اخراجات میں گزشتہ اور موجودہ دور کا فرق

ام عبدینیب

☆ لوگ کوڑا کرکٹ جمع کرنے کے لیے ٹوٹا ہوا تسلا، ٹین، لکڑی یا گنے کا ڈبہ، ٹوٹی ہوئی مٹی کی کنالی، داہڑا، شہوت کی نرم شاخوں کا بنا ہوا ٹوکرا وغیرہ استعمال کرتے تھے۔ کوڑا ڈالنے کا کوئی مخصوص برتن یا ٹوکری وغیرہ نہ بازاروں میں دستیاب ہوتی تھی نہ ہی کوڑے دان خریدنے کا رواج تھا۔

☆ کوڑا اٹھانے کے لیے لوہے کا کوئی پتہ، کوئی چوڑی لکڑی، مضبوط گتیا یا ٹوٹی ہوئی سلیٹ استعمال کی جاتی تھی۔ بعض لوگ لوہار سے لوہے کا بیلچہ بنوا لیتے جو لوہے کا ہونے کی وجہ سے ایک نسل سے دوسری نسل تک بھی منتقل ہو جاتا۔ دورِ حاضر میں پلاسٹک کے بیلچے عام دستیاب ہیں جو چند دن بعد ٹوٹ جاتے ہیں، ان پر کوئی بھاری چیز آجائے یا بچے زور سے پھینک دیں تو وہ ٹوٹ جاتے ہیں، یوں ان کے ٹوٹنے اور پھر نئے منگوانے کا سلسلہ آئے دن جاری رہتا ہے۔

☆ کائی، سروٹ، کانے، شہوت کی نرم شاخوں وغیرہ کو اکٹھا کر کے جھاڑو بنالیا جاتا۔ یوں قیمتاً جھاڑو خریدنے کی کافی حد تک بچت ہو جاتی تھی۔

☆ برتن دھونے کے لیے مختلف کوچیاں متعارف ہی نہیں تھیں، نہ ہی کسی صنعت کار نے ان کا سوچا تھا۔ برتن مانجنے کے لیے راکھ اور ریت کے علاوہ کوئی کھر دراکپڑا، مونج کی رسی، کائی یا گھاس کے تنکے، پھک (دھان کا چھلکا) وغیرہ استعمال کیے جاتے تھے اور یہ سب چیزیں بلا قیمت مل جایا کرتی تھیں۔

☆ برتن دھونے کے صابن، وِمْ یا کسی لوشن وغیرہ سے بھی لوگ ناواقف تھے۔ راکھ، کلر، ریت، پھک وغیرہ سے برتن کی چمک

دورِ حاضر صنعت و ایجادات کا دور ہے۔ ہر لمحہ کوئی نئی صنعت یا ایجاد منظر عام پر آرہی ہے۔ جتنی برق رفتاری سے ایجادات بڑھ رہی ہیں اتنی ہی تیزی سے اخراجات اور مسائل بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک عام آدمی جس کی آمدنی کے وسائل کم ہیں وہ بھی چاہنے کے باوجود اخراجات میں کمی نہیں کر سکتا۔

جب وسائل آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہوں تو نفسیاتی اور ذہنی الجھنیں اپنا شکنجہ کس لیتی ہیں۔ چونکہ دورِ حاضر میں انسان کو خوفِ الہی، پرسشِ آخرت اور مذہبی اقدار سے دانستہ دور کرنے اور دور رکھنے میں میڈیا سرگرم ہے۔ نتیجہ یہ کہ خودکشی، بغاوت، نشہ، چوری، ڈکیتی، قتل اور بے حیائی جیسے بڑے بڑے گناہ عام ہو چکے ہیں۔

آج کا صنعت کار اپنی صنعت کو عوام کی ضرورت باور کرانے کی تشہیر کا کام اس انداز سے کر رہا ہے کہ عام آدمی کا دل اس کی مصنوعہ چیز کو خریدنے پر جیب ہلکی ہونے کے باوجود آہی جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں مروج اشیاء یا مصنوعات و ایجادات میں سے نوے فی صد اشیاء ہماری ضروریات میں شامل ہی نہیں اور اب سے پہلے کا معاشرہ ان کے بغیر بڑی آسانی سے گزارہ کرتا چلا آ رہا تھا یا یہ کہ اخراجات میں اضافہ کرنے والی اشیاء کی بجائے کم قیمت پر یا بغیر کسی قیمت کے دستیاب چیزوں سے اپنی ضرورت پوری کرتا چلا آ رہا ہے۔

آئیے! ایک نظر اپنی ضروریات کا جائزہ لیں کہ اب ان کو پورا کرنے کا کیا طریق کار ہے اور ہمارا کتنا پیسہ ان پر خرچ ہو رہا ہے اور اس سے پہلے معاشرہ ان کو کس آسانی سے یا کم خرچ میں پورا کیا کرتا تھا۔ شاید ہم میں سے کوئی اللہ کا بندہ اپنے اخراجات کم کرنے کے لیے دوبارہ انہی اشیاء یا انہی طریقوں کو اپنالے۔

بچوں کو پیدائش کے شروع دن ہی سے قضائے حاجت خود کرواتیں جس سے بچے عادی ہو جاتے، یوں نہ ہی بستر خراب ہوتا نہ بڑوں کے کپڑے اور نہ ہی پمپر یا پٹی خریدنے پر رقم خرچ ہوتی اور نہ بار بار پمپر لگانے کا جھنجھٹ ہوتا۔ پمپر اور پٹی کا نقصان یہ بھی ہے کہ بچہ کپڑے میں پیشاب کرنے کا عادی ہو جاتا ہے، اس میں طہارت کی عادت پیدا نہیں ہوتی۔ ٹانگوں کا درمیانی فاصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ ٹانگیں پھیلا پھیلا کر چلنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

تب جس عورت کا بچہ کپڑے میں پیشاب کر دینے کا عادی ہوتا، اس کو بد سلیقہ سمجھا جاتا تھا۔

☆ شاپر بیگ، ہینڈ بیگ، پلاسٹک یا گتے کے ڈبوں وغیرہ کا استعمال بہت محدود تھا۔ خریداری اور آمد و رفت کے وقت ضرورت کی اشیاء رکھنے کے لیے کپڑے کے مضبوط تھیلے ہوتے تھے شوقین مزاج لوگ موٹے دھاگے سے کروشیے کے بنے ہوئے نیل بوٹوں والے تھیلے استعمال کرتے تھے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہوتے تھے۔ اکثریت سادہ اور عمومی تھیلوں ہی سے اپنا کام چلاتی تھی۔ ایک بارسیا ہوا تھیلا کئی سال چلتا رہتا۔

دور حاضر میں ہینڈ بیگ بار بار خریدے جاتے ہیں کیونکہ وہ ناپائیدار ہوتے ہیں۔

دکان دار کاغذ کے تھیلے استعمال کرتے تھے اور کاغذ کے جو تھیلے خریدار کے پاس آتے، انہیں خریدار اکثر و بیشتر صحیح سلامت حالت میں دوبارہ دکاندار کے ہاتھ فروخت کر دیتا، یوں اسے اس تھیلے کی کچھ نہ کچھ قیمت مل جاتی۔ جب کہ دور حاضر میں خریدار کے پاس آیا ہوا تھیلا کوئی بھی دکاندار نہیں خریدتا یا شاید لوگ دوبارہ بیچ دینے کو ایک گھٹیا حرکت سمجھنے لگے ہیں بہر حال وجہ کوئی بھی ہو، درست حالت میں ہونے کے باوجود شاپر بیگ یا پلاسٹک کے تھیلے کوڑے میں پھینک دیے جاتے ہیں۔ یہ تھیلے گلنے سڑتے نہیں نتیجہ یہ کہ گٹروں میں گر کر انہیں بند کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ کوڑا کرکٹ تو کھاد میں تبدیل ہو

دک اس طرح لوٹ آتی جیسے ابھی بازار سے خرید اہوا اور اس کے ساتھ لگی ہوئی چکنائی بھی اتر جاتی۔ اگر صابن کی ضرورت پڑ ہی جاتی تو دیسی صابن کا استعمال کے بعد بچا ہوا ٹکڑا (کرچ پنچائی زبان میں) کام دے جاتا۔

☆ نہانے کے لیے الگ صابن کا رواج برائے نام تھا۔ لوگ دیسی صابن ہی استعمال کرتے۔ امیر یا تھوڑے سے تکلفات والے لوگ یا پھر مہمان کی مہمان نوازی کے طور پر نہانے کا کوئی سستا سا صابن خرید لیا جاتا۔ لسی، چکنی مٹی، بیسن، کھلی وغیرہ ہی صابن کا کام دیتے۔ یا پھر دیسی صابن ہی سر پر بھی لگایا جاتا تھا۔ ان چیزوں سے بال ملائم اور چمک دار ہو جاتے جسم کی رنگت بھی کھل کر صاف ہو جاتی۔ دور حاضر میں نہانے کے لیے بیسیوں قسم کے صابن موجود ہوتے ہیں جن کی عام نکلیا کی قیمت ۱۰ روپے سے لے کر سو سو روپے تک ہے اور یہ نکلیا صرف ایک آدمی کے استعمال میں بھی ہو تو تقریباً پندرہ دن میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ بالوں میں چمک، ملائمت اور ان کی صفائی کرنے کا دعویٰ کرنے والے ان گنت، شیمپو، ہینر کلر، ہیر ٹانک، لوشن اور کریمیں دھڑا دھڑا خریدی جا رہی ہیں۔

تجربہ کرنا ہو تو کسی بوڑھی عورت کے بال دیکھیے اور آج کی کسی جوان عورت کے، خود پتا چل جائے گا کہ قدیم طریق کار زیادہ بہتر تھا یا جدید طریق کار جس میں اخراجات انتہائی زیادہ ہیں۔

☆ جھاڑ پونچھ کے لیے پرانے پھٹے ہوئے کپڑے استعمال کیے جاتے تھے۔ جنہیں بار بار دھو کر قابل استعمال رکھا جاتا تھا۔ دور حاضر میں جھاڑ پونچھ کے لیے مختلف رنگوں اور ڈیزائنوں کے کپڑے بازار میں دستیاب ہیں نیز انہیں لوگ استعمال کرتے ہیں جب گندے ہو جاتے ہیں تو دھو کر صاف کرنے کی بجائے پھینک دیتے ہیں۔ یوں بار بار خریداری پر صرف ہونے والے پیسے کا ضیاع کیا جاتا ہے۔

☆ نیپیاں اور پمپر کے استعمال کا رواج بھی نہیں تھا بلکہ مائیں اپنے

استعمال کیے جا رہے ہیں جو عموماً ایک آدھ بار استعمال کے بعد پھٹ جاتے ہیں، نہ بھی پھٹیں تو بہر حال انہیں خالی کر کے پھینک دیا جاتا ہے۔

☆ لوگ دروازوں اور کھڑکیوں پر پردہ ضرورت کے لیے ہی لگاتے تھے، مثلاً دھوپ، بارش، سردی، گرمی سے بچاؤ کے لیے یا بے پردگی سے بچنے کے لیے۔ اس مقصد کے لیے بور یوں کے ٹکڑے یا پچھے پرانے کپڑے جوڑ کر پردہ بنا کر لٹکا دیا جاتا، چھتیں بھی لگائی جاتی تھیں لیکن یہ رواج صرف امیر لوگوں کے ہاں تھا۔ دورِ حاضر میں ضرورت ہو یا نہ ہو ہر کھڑکی اور دروازے پر پردے لگائے نہیں لٹکائے جاتے ہیں جو انتہائی قیمتی ہوتے ہیں اور صرف ایک کپڑا نہیں بلکہ تین تین کپڑے نیچے اوپر لگائے جاتے ہیں۔ گویا آرائش کا یہ تمام تر خرچ غیر ضروری ہے۔

☆ بچوں کے لیے بے بی صابن، بے بی پاؤڈر یا مردوں عورتوں کے لیے الگ الگ صابن، شیمپو، تیل، بدبو زائل کرنے والے پاؤڈر، شیو کے لیے مختلف کریموں وغیرہ کے تکلفات نہیں تھے، تب گھر کے تمام افراد کے لیے ایک ہی صابن، ایک ہی تیل اور ایک ہی تیل پر اکتفا کیا جاتا تھا۔

خشکی دور کرنے کے لیے دیسی گھی، تیل سرسوں یا مکھن اور ملائی کا استعمال کیا جاتا تھا، نیز مختلف ویزلین اور کریموں وغیرہ سے لوگ ناواقف تھے۔

بچوں کو جانگلیہ پہنا کر دیسی گھی یا تیل سے مالش کی جاتی بعد ازاں صابن سے نہلا دیا جاتا، اس طرح بچے کی ہڈیاں مضبوط ہوتیں، بچہ تندرست و توانا ہوتا۔ دورِ حاضر کے پاؤڈر اور لوشن جلد کو خراب کرنے کے علاوہ اسے کمزور اور نازک اندام بنانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

☆ بچوں کو بازاری خوراک سری لیک وغیرہ نہیں دی جاتی تھی، گھر میں جو کچھ پکتا وہی بچے کی غذا ہوتی۔ اہتمام کرنے والی مائیں بچوں کو دیسی انڈا، گھی، مکھن، دودھ، بالائی، مصری اور

جاتا ہے چونکہ پولی تھین کے تھیلے کھاد میں تبدیل نہیں ہوتے اس لیے وہ کوڑے کرکٹ کو بھی ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تھیلوں کو ٹھکانے لگانا بھی ایک مشکل مسئلہ بن چکا ہے۔ پولی تھین کے تھیلوں میں اگر کھانے والی چیز زیادہ دیر پڑی رہے یا گرم اور ٹھنڈی ہو تو پولی تھین اس چیز میں شامل ہو کر اسے انسانی صحت کے لیے مضر کر دیتا ہے۔

دورِ حاضر میں یہ رواج ہو چکا ہے کہ کوئی بھی چیز خریدیں اسے پیکنگ، تھیلے یا ڈبے ہی میں گاہک کے حوالے کیا جاتا ہے۔ بعض چیزوں کے لیے تو پیکنگ ضروری ہوتی ہے تا کہ وہ میلی یا خراب نہ ہوں لیکن بعض چیزوں کے لیے پیکنگ یا تھیلا ضروری نہیں ہوتا، مثلاً اگر کپڑا خریدا ہے اور گاہک کے پاس شاپر یا تھیلا موجود ہے تو دکاندار سے شاپر لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض چیزوں کی خریداری میں شاپر یا تھیلا نقصان دہ بھی ہوتا ہے مثلاً دودھ اور دہی شاپروں میں گاہک کو دیا جاتا ہے، یہ بات درست ہے کہ اس طرح وزن کرنے میں سہولت رہتی ہے لیکن تھیلا پھٹنے کا بھی امکان ہوتا ہے نیز تھیلے سے دودھ نکالنا خاصی احتیاط کا کام ہے ورنہ وہ باہر گر جاتا ہے۔ جب کہ دہی یا سالن وغیرہ کا بہت سا حصہ شاپر کے ساتھ لگا رہ جاتا ہے جسے صاف کرنا بھی خاصا مشکل ہو جاتا ہے یوں کھانے والی چیز ضائع ہو جاتی ہے۔

دراصل دکاندار یا صنعت کار جب کوئی چیز تیار کرتا ہے تو اس کی تشہیر، پیکنگ اور اس پر دیگر اٹھنے والے تمام اخراجات اور اپنے منافع کو اس میں شامل کر کے اس کی قیمت فروخت مقرر کرتا ہے، جس سے صنعت کار کی آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن خریدار کی جیب پر دو گنا زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے۔

☆ زیادہ وزنی چیزوں کے لیے پٹ سن یا موٹے دھاگے کے کپڑے کی بور یوں کا استعمال ہوتا تھا۔ نقل و حمل کے وقت بھی یہ بوریاں نہیں پھنکتی تھیں۔ دورِ حاضر میں پلاسٹک کی بوریاں، موٹے کاغذ یا پولی تھین ہی کے بڑے بڑے لفافے اس مقصد کے لیے

تربیت میں انہیں کپڑے سینے کا ہنر سکھانا لازمی تھا۔ عورتیں اپنے بچوں اور اپنے کپڑوں کے علاوہ کسی محلے دار، رشتہ دار یا ضرورت مند کو بھی کپڑے سی کر مدد کر دیتیں یوں ان کی آخرت کے لیے بھی سامان تیار ہو جاتا۔ نیز خود کپڑے سینے سے جہاں گھریلو اخراجات میں بچت ہوتی وہاں لڑکیاں اور عورتیں ایک کارآمد مصروفیت میں اپنا وقت گزارتیں۔ عورتیں درزیوں کے ہاں چکر لگانے کے جھمیلوں سے بچ جاتیں ماپ دینے یا ماپ بھینچنے میں جس بے پردگی سے عورت کو گزرنا پڑتا ہے اس گناہ سے بھی بچ جاتیں خود کپڑے سینے سے چھوٹی چھوٹی کترینیں بھی کہیں نہ کہیں کام آ جاتیں یا ان کو خوبصورتی سے جوڑ کر بچوں کے کپڑے، تکیوں کے غلاف، اٹیچی کیسوں یا میز کرسیوں پر ڈالنے والے کپڑے وغیرہ بنا لیے جاتے۔ درزی اگر دو میٹر کپڑا لگتا ہو تو اڑھائی میٹر وصول کرتے ہیں اور پھر بچے ہوئے ٹکڑے واپس بھی نہیں کرتے۔ دور حاضر میں ۱۵۰ سے لے کر پانچ پانچ سو تک ایک سوٹ کی سلامتی عام ہے۔ گھر میں کپڑے سینے والی خواتین اپنے بجٹ میں معقول حد تک کمی کر سکتی ہیں۔

☆ بچوں کو لکھنے کی مشق کرانے، سوالات یاد کروانے، ٹیبل یاد کروانے، ریاضی کے سوالات حل کروانے کے لیے تختی اور سلیٹ استعمال کرائی جاتی تھی جو لوہے اور لکڑی کی ہوتی تھیں اور ایک بار خریدنے کے بعد دو دو نسلوں تک چلتی رہتی تھیں۔ لکھنے کے لیے کانے کی قلمیں، سیاہی اور (نرم پتھر کی) سلیٹی استعمال کی جاتی تھی۔ تختی کو گاجنی مٹی سے پوچا جاتا تھا اور اس پر لکیریں کھینچنے کے لیے بیٹری کا استعمال شدہ سیل توڑ کر ان کا سکہ نکال کر کام میں لایا جاتا۔ گویا بیکار سیل سے بھی ایک مفید کام لیا جاتا اور پنسل کی بھی بچت ہو جاتی۔ یہ سکہ اگر محفوظ رہتا تو دو دو سال تک ختم نہیں ہوتا تھا۔

دور حاضر میں کاپی، پنسل، شاپنر اور بڑا رواج ہے۔ اوسطاً ایک کاپی ایک ہفتہ یا پندرہ دن میں ختم ہو جاتی ہے۔ اوسطاً دو دن بعد

بادام پیس کر کھلاتیں یا گندم کا دلیہ، مونگ کی کچھڑی، ساگودانے کی کھیر وغیرہ کھلائی جاتی جو بیک وقت خوراک بھی تھے اور صحت کی ضامن بھی نیز ہر شخص کو آسانی سے میسر ہوتی اور سستی بھی پڑتی تھی۔

☆ چھوٹی موٹی بیماریوں میں گھریلو ٹوٹکے اور جڑی بوٹیوں سے علاج کیا جاتا تھا، گھر کا ہر فرد خصوصاً بڑی بوڑھی عورتیں اچھی خاصی حکیم ہوتی تھیں۔ گھریلو علاج ہر فرد کو آسانی سے دستیاب بھی ہوتا تھا اور سستا بھی تھا۔ دور حاضر میں ایک دو چھینکیں آنے پر ڈاکٹر کے ہاں دوڑ لگائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر انفیکشن کے خطرات سے ڈراتے اور ساتھ ہی رنگ رنگ گولیوں کے پیکٹ تھما کر پانچ سو سے ایک ہزار تک فیس وصول کر لیتے ہیں۔ ان دوائیوں کے مضر اثرات ضرور ہوتے ہیں۔ جلد ہی پتا چلتا ہے کہ اب اس بیماری کی بجائے ایک اور بیماری نمودار ہو رہی ہے۔ پھر طویل ٹیسٹوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کبھی انکشاف ہوتا ہے کہ انجکشن غلط لگ گیا اور متاثرہ جگہ اتنی خراب ہوئی کہ آپریشن کرنا پڑا۔ بعض اوقات کسی اور بیماری کا یا ضرورت سے زیادہ موثر انجکشن لگا دیا گیا جو مریض کو موت کے منہ تک لے آیا۔ آپریشنوں کے دوران ڈاکٹروں کی لاپرواہی کے واقعات بھی عام طور پر ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر اب انسانی ہمدردی یا خدمتِ خلق کا کام نہیں بلکہ جیبیں بھرنے کا نام بن چکا ہے۔

ڈیوری کیس عموماً دایوں کے ہاتھوں ہوتے۔ اب پچاس فی صد ڈیوری کیس آپریشن کے ذریعے ہو رہے ہیں۔ جس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ ڈاکٹر آپریشن کے ذریعے فیس زیادہ وصول کر سکتے ہیں عام کیس میں فیس کم ہوتی ہے نیز آپریشن میں ڈاکٹر کا وقت کم خرچ ہوتا ہے جب کہ عام کیس میں کئی گنا زیادہ وقت بھی لگ سکتا ہے۔ غرض ہمدردی مریض سے نہیں ڈاکٹر کو اپنے وقت، اپنے آرام اور اپنی فیس سے ہوتی ہے۔

☆ درزیوں سے کپڑے سلوانے کا رواج بھی کم تھا۔ خواتین کی گھریلو

شارپنر، ربڑ اور پنسل گم ہو جاتا یا ختم ہو جاتا ہے۔

جب کہ قلم ایک بار بنانے کے بعد کئی دن چلتی۔ سلیٹی کی قیمت انتہائی معمولی ہوتی اور تین انچ کی لمبی سلیٹی دو دو ماہ بخوبی چل جاتی۔ انگش لکھنے کے لیے پنسل یا بال پین اور پین کے بجائے جی آر کی بک استعمال کروائی جاتی۔ جس کا خط (پینڈرائٹنگ) بھی اچھی ہوتی تھی۔ پرائمری کلاس تک سال میں دو یا تین کا پیاں ہی استعمال ہوتی تھیں۔

اساتذہ اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے بچوں کو اپنے ہاتھ سے قلمیں بنا کر دیتے اور جیب میں اس مقصد کے لیے ایک عدد چاقو ضرور رکھتے۔ یہ طریق کار جہاں کم قیمت تھا وہاں بچوں کا خط (پینڈرائٹنگ) پہلی اور دوسری جماعت میں ہی پختہ اور صاف ہو جاتا۔ اب ایم اے کرنے والے طالب علموں کا خط بھی بہت بھدا ہوتا ہے۔

بچے بار بار تختی دھونے کا کام کرتے۔ یہ کام ان کے لیے ذہنی تفریح کا بھی باعث ہوتا اور محنت کا عادی بنانے کا باعث بھی۔ اب ہر بچہ پنسل شارپنر، ربڑ تھوڑی دیر استعمال کرتا ہے اور پھر ادھر ادھر رکھ کر بھول بھی جاتا ہے۔ پنسل تراش تراش کر ایک ہی دن میں ختم کر دیتا ہے۔ یوں ماں باپ کے فی بچہ روزانہ بیس روپے صرف پنسل، ربڑ اور شارپنر پر ہی صرف ہو جاتے ہیں۔

☆ تب آئے روز نصاب تبدیل نہیں ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ کتابیں دست بدست آتی جاتی رہتیں۔ والدین کوئی کتب خریدنے کا خرچ نہیں اٹھانا پڑتا تھا۔ سال ختم ہونے پر پرانی کتب آدھی قیمت پر فروخت کر دی جاتیں یا ٹینکی کرتے ہوئے کسی غریب بچے کو دے دی جاتی تھیں۔

☆ بچوں کے لیے کھلونے خریدنا ایک بے کار خرچ تصور ہوتا تھا اور یقیناً یہ ہے بھی فضول خرچی۔ پرانے کپڑوں یا دھاگوں کو پلیٹ کر گیند بنا لیا جاتا۔ روٹی کی گڑیا، بھالو، وغیرہ بنانا عام فن تھا۔ مٹی، کاغذ، گتے، سروٹ اور کائی کے نرم نرم حصوں کے مختلف کھلونے عورتیں خود بنا لیتیں اور بچوں کو بھی بنانا سکھاتیں۔

☆ ٹوتھ پیسٹ اور برش کی بجائے دانت پسے ہوئے کونسلے، نمک،

اخروٹ اور بادام کے چھلکوں کے کونسلے کوٹ کر منجن کے طور پر استعمال کیے جاتے۔ اخروٹ کی چھال بھی استعمال کی جاتی۔ مسواک ہر شخص کا معمول تھا۔ مرد صبح گھروں سے باہر نکلتے تو واپسی پر درختوں سے مسواک توڑ کر دانت صاف کرتے ہوئے واپس آتے۔ گویا رسول اللہ ﷺ کی سنت معاشرے میں پوری طرح رائج تھی۔ انگریز نے ہمیں برش اور ٹوتھ پیسٹ کا ایسا عادی بنایا کہ اب ہر شخص کا الگ الگ برش ہے۔ برش اور ٹوتھ پیسٹ کا تو اردو میں کوئی نام ہی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ انگریز ہی کی در آمد شدہ چیز ہیں۔ برش نے ہم سے ہمارے نبی پاک ﷺ کی سنت مسواک کو چھین لیا۔ مسواک سے دانت بھی بہت مضبوط ہوتے ہیں اور خرچ ندارد۔ فرض کیجیے مسواک خریدنا بھی پڑ جائے تو بھی ٹوتھ پیسٹ سے اس کا خرچ بہت کم ہوتا ہے۔

☆ کپڑا پھٹ جاتا تو اسے پیوند لگا کر استعمال کیا جاتا۔ جس میں یہ روح کار فرما ہوتی کہ زیادہ دیر تک چلے اور نیا خریدنے کا خرچ نہ اٹھانا پڑے۔ نیز یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی تھی۔ میچنگ کا سرے سے کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ جب کپڑا زیادہ پرانا ہو جاتا یا پھٹ جاتا تو اس کے مضبوط حصے الگ کر کے ان کا دسترخوان، صافی، سرھانوں کے غلاف، میز وغیرہ پر بچھانے والا کپڑا، بچوں کے بستے یا تھیلے بنا لیے جاتے۔

بڑے بچے کے کپڑے چھوٹے ہو جاتے تو وہ چھوٹے بہن بھائی کے کام آ جاتے یا کسی اور اس عمر کے بچے کو دے دیے جاتے۔ خاندان میں اکثر یہ کپڑے گردش کرتے رہتے جب قد پورے ہو جاتے تو باپ بھائی اور بچا وغیرہ ایک دوسرے کے کپڑے پہن لیتے۔ اسی طرح ماں بیٹی اور باہم بہنیں ایک دوسرے کا کپڑا پہن لیتی تھیں۔

ہمارے نبی ﷺ نے خود نہ تو کسی تقریب پر نیا کپڑا سلوا یا نہ ہی اس کے لیے کوئی اہتمام کرنے کا حکم دیا۔ آپ موجود کپڑوں میں سے جو بہتر ہوتا وہ عید والے دن پہن لیتے۔ اسی سنت کی پیروی میں

ہوں کھانا حلق سے نیچے اترتا ہی نہیں۔

برتن اچھی طرح صاف کیا جاتا۔ پڑی ہوئی روٹی یا سالن وغیرہ رغبت سے کھائے جاتے یوں رزق ضائع ہونے کی بجائے کام آ جاتا۔ دورِ حاضر میں برتنوں کے ساتھ بہت سا کھانا لگا رہ جاتا ہے جو دھو کر نالیوں میں بہا دیا جاتا ہے۔ نیز باسی کھانا کھانے سے نفرت کی جاتی ہے۔

تب کچی سبزیاں شلغم، مولیٰ، گاجر، کھیرا، چقندر، پالک، کٹڑیاں یا کوئی پھل یا بھنے ہوئے دانے، پکائے ہوئے سٹے یا ستو وغیرہ میں سے کوئی چیز کھا کر اس وقت کا کھانا کھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی تھی، آج ہر کھانے کے ساتھ اس طرح کی چیزوں کو اضافی سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہے۔

تب بازاری کھانے کو اچھا پن اور کمینی حرکت سمجھا جاتا تھا۔ آج مہنگے ترین ہوٹلوں میں جا کر کھانا کھانا اور کھانا ایک معمول اور قابلِ فخر کام سمجھ لیا گیا ہے، پھر اس پر جو اخراجات اٹھتے ہیں اس سے بھی لوگ واقف ہی ہیں۔ کھانا پکانا ہر عورت کا بنیادی فریضہ تھا لہذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ پکا پکایا کھانا منگوائے اگر کبھی کوئی عورت ایسا کر تی تو وہ پھوڑا اور بے وقوف سمجھی جاتی تھی۔

☆ دورِ حاضر میں گھر میں ”کام والی“ یا ”ماسی“ رکھنا ایک فیش بن چکا ہے اور ایک متمول یا چوہدری گھرانہ ہونے کی علامت۔ بیگم صاحبہ کام نہ کرنے، مرغن غذا کیں کھانے اور صوفوں میں دھنس کر ٹی وی دیکھتے رہنے سے دن بدن موٹی ہوتی جاتی ہیں جس کے لیے ڈائٹنگ اور سلمنگ کورس وغیرہ کی طرف رجوع کر کے خرچ بڑھایا جاتا ہے۔

پہلے عورتیں چکی پیستیں، صفائی کرتیں، کپڑے دھوتیں، کپڑے پیستیں، کڑھائی سلائی کرتیں، ازار بند اور پراندے بناتیں، کچے گھروں کی لپائی کرتیں، چرخہ کاتیں، نواڑ بناتیں، چار پائیاں بناتیں، گھروں میں خود قلعی کرتی یا پوچا پھیرتی تھیں، جن کی وجہ سے ان کی ورزش بھی جاری رہتی اور ڈائٹنگ بھی۔

تقریبات پر نئے کپڑے سلوانے کا رواج کم تھا۔ ایک بار نیا کپڑا سی لینے کے بعد ہر عید، شادی وغیرہ پر وہی بار بار پہنا جاتا، حتیٰ کہ وہ پرانا ہو جاتا یا چھوٹا ہو جاتا۔

کپڑا پہننے کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ میں دوسروں سے نمایاں، منفرد، خوب صورت اور پُرکشش نظر آؤں بلکہ یہ مقصد ہوتا تھا کہ جسم کے قابلِ ستر اعضا پوری طرح ڈھک جائیں اور لباس معقول اور سادہ نظر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ لباس کی سلائی میں بھی ستر ڈھکنے کو ہی اہمیت دی جاتی۔ جو مرد یا عورت لباس کے انتخاب میں خوب صورتی، کشش اور انفرادیت کو مد نظر رکھتے وہ معاشرے میں بد چلن، آوارہ اور اوباش کہلاتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ لباس میں شوخی، جاذبیت، انفرادیت وغیرہ کبیرہ گناہ تک لے جانے والا راستہ ہے جس میں تکبر، بے حیائی، غرور، فحاشی، دکھاوا اور تصنع جیسے گناہ شامل ہیں۔

☆ دورِ حاضر میں تقریبات آئے دن آتی ہی رہتی ہیں۔ نیز ہر تقریب کے لیے تین تین چار چار سوٹ سینے کا رواج عام ہے، نیز ہر سوٹ کے ساتھ میچنگ جیولری، میچنگ ٹوپی، میچنگ جوتے غرض ہر چیز کو میچ کرنے کا جنون عام ہو چکا ہے۔ نتیجہ یہ کہ آمدنی کا ایک بڑا حصہ کپڑوں ہی کی نذر ہو جاتا ہے۔ تب موسم کے لحاظ سے کپڑے بنانے کا بھی تصور نہیں تھا، آج میڈیا نے انسان کو برسات، بہار، خزاں، گرمی، سردی کے الگ الگ لباس کا چسکا لگا دیا ہے۔

☆ جو بھی جس رنگ کا بھی ڈبہ یا بوتل مل جاتی اس میں ضرورت کی چیز محفوظ کر لی جاتی۔ نمک مرچ وغیرہ کے لیے خصوصی ڈبوں کا کوئی رواج نہیں تھا۔

☆ ایک وقت میں ایک ہی قسم کے کھانے کا رواج تھا۔ لسی، دہی، چٹنی، گڑ، شہد، جام، مربی، اچار، مکھن، نمک، سرکہ، ملائی، دودھ، سالن میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ روٹی رغبت کے ساتھ کھالی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ نمک مرچ میں پانی یا لسی کا گھونٹ ملا کر اسے سالن کے طور پر استعمال کیا جاتا۔ یوں وقت بھی بچتا تھا اور اخراجات بھی۔ اب دسترخوان پر جب تک آٹھ دس چیزیں نہ

☆ دس بارہ میل تک کا سفر پیدل کرنا ایک معمول تھا۔ جس سے صحت ٹھیک رہتی اور مختلف ورزشوں اور دوائیوں کی نوبت ہی نہ آتی تھی۔ اب ساتھ والے گھر میں بھی جانا ہو تو موٹر سائیکل، رکشہ یا کار کا سہارا لیا جاتا ہے۔ جس پر کافی اخراجات اٹھ جاتے ہیں۔

حاصل:

اصل بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ دنیا میں کھانے، پہننے، دوسروں پر فخر جتانے، ہر چیز میں دوسروں سے آگے بڑھ جانے کے لیے آیا ہے۔ اسے یہی فکر دن رات پریشان کرتی رہتی ہے۔ جب کہ اس سے پہلے کے انسان کے زندگی کے بارے دو قسم کے رویے یا سوچ تھی۔

۱: اس دنیا میں شریف لوگوں کی طرح، معقول طریقے سے اپنی آمدنی میں باعزت گزارہ کرنا ہے۔

۲: یہ دنیا ایک عارضی جگہ ہے صرف آخرت ہی اصل ٹھکانا ہے لہذا اپنی پوری توجہ اس گھر کو بنانے اور حاصل کرنے پر مرکوز رکھنا ہے، اس دنیا میں کچھ ملے یا نہ ملے، کچھ فراہم ہو یا نہ ہو، یہ بات باعث تشویش نہیں بلکہ یہ بات باعث تشویش ہے کہ آنے والی زندگی کے لیے کیا کمایا، کتنا کمایا؟

دورِ حاضر کے مقصدِ زندگی میں انسان درہم، دینار اور اپنے نفس کا بندہ بن جاتا ہے۔ وہ نا انصافی، ظلم، خباثت اور بے دردی کے ساتھ دوسروں کا حق چھین کر درہم و دینار حاصل کرتا اور نفس صاحب کی پوجا پاٹ کرنا شروع کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ والدین، بہن بھائی، اولاد بیوی تک کی محبت ختم ہوتی جا رہی ہے، ان کے حقوق ادا کرنے سے جان چھڑانے کے مختلف طریقے اور اندازِ بدن رونما ہو رہے ہیں۔ آج کوئی کام یا پیشہ انسانی ہمدردی، خدمتِ خلق یا اللہ تعالیٰ کے خوف اور نیکی کے حصول کے لیے اختیار نہیں کیا جاتا، غور کیجیے ڈاکٹر کا رویہ مریض کے ساتھ، مکینک کا رویہ کسی مشینری اور مشینری کے مالک کے ساتھ، کسی دفتر کے کلرک یا صاحب کا رویہ مختلف حاجات کے لیے آنے والوں کے ساتھ، سیاسی لیڈروں یا صدر اور وزیرِ اعظم کا رویہ

عوام کے ساتھ، کسی استاد کا رویہ طالب علم کے ساتھ، پولیس کا رویہ راغبیروں کے ساتھ ہمدردانہ، مشفقانہ، خدمتِ خلق کے جذبے، نیکی کے حصول، اللہ تعالیٰ سے خوف پر مبنی ہوتا ہے یا صرف اپنے ذاتی مفاد، مال حاصل کرنے، اپنے نفس کو راحت و آرام پہنچانے، اپنے ہی نمبر بنانے اور ہم پیشہ لوگوں کو کہنی مار کر پیچھے دھکیلنے اور نیچا دکھانے پر؟

دورِ حاضر میں جو چیز جس مقصد کے لیے ہے اور وہ جب تک مرمت کروا کر یا اس کی اصلاح کر کے وہ اس مقصد کے حصول میں کارگر ثابت ہو سکتی ہے تب تک اسے استعمال کرتے رہنے کی بجائے یہ رجحان پیدا ہو چکا ہے کہ جب وہ ذرا سی خراب ہو جائے تو ٹھیک کروانے کی بجائے کباڑیے کے ہاتھ بیچ دیا پھینک دیا کسی اور کو دے دو۔

اگر اس کی شکل و صورت یعنی ڈیزائن حسبِ پسند نہیں گویا نفس صاحب کو نہیں بھار ہی تو نئی اور قیمتی ہونے کے باوجود اسے مابودلت کی نظروں سے دور کر دو۔

اگر وہ آؤٹ آف فیشن ہو چکی ہے اور صنعت کار صاحب اس کی بجائے نئے ماڈل یا ڈیزائن کی چیز بازار میں لے آئے ہیں تو بھی اسے گھر بدر کر دو۔

اگر چیز میلی ہو گئی ہے صفائی نہ کرنے کی وجہ سے تو اس کو صاف کرنے پر محنت کرنے کی بجائے اسے بیچ دیا کسی اور کو دے دو۔

جو چیز ایک بار استعمال کر لی ہے اسے دوسری بار مت استعمال کرو کہ یہ کنجوسی بھی ہے اور معاشرتی رواج سے ہٹ کر بھی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قابلِ استعمال چیزوں کی اصلاح و مرمت کر کے انہیں استعمال میں لے آنا اس شخص کے لیے درست ہے جس کے پاس وسائل کم ہیں لیکن جس کے پاس وسائل کی فراوانی ہے وہ ایسا کیوں کرے؟ یا یہ کہ معمولی چیز کے لیے مرمت کی تکلیف کیوں اٹھائی جائے یا اس کی صفائی پر وقت کیوں خرچ کیا جائے؟

دراصل انسان سمجھتا ہے کہ وہ ہر چیز پر اپنی مرضی سے تصرف کر سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی مرضی سے تصرف کا حق صرف جزوی طور پر دیتا ہے استعمال کی ہدایات دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے

حضرت مولانا محی الدین لکھوی کی بیوہ کے انتقال پر
دارالدعوة السلفیہ لاہور کے اراکین کا اظہار تعزیت

جماعت اہل حدیث کے بزرگ عالم دین حضرت مولانا محی الدین لکھوی رحمہ اللہ کی بیوہ محترمہ گزشتہ دنوں ۸۰ برس کی عمر میں وفات پا گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ طویل عرصے سے علیل تھیں۔ ان کی وفات سے یقیناً لکھوی خاندان کو صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ کریم ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ دارالدعوة السلفیہ لاہور کی مجلس عاملہ کے اراکین حضرت مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی، حضرت مولانا ابوبکر صدیق السلفی، حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی، محترم حافظ احمد شاکر، ڈاکٹر سعید اقبال قریشی، چوہدری نعیم صادق ایڈووکیٹ، حافظ محمد اشرف، ملک عصمت اللہ، چوہدری محمد جمیل، شیخ محمد عتیق، حافظ حماد شاکر، مولانا ارشاد الحق اثری، محترم حافظ عبدالحمید ازہر رحمہ اللہ مرحومہ کی مغفرت کے لیے دعا گو ہیں۔ مرحومہ کے لواحقین سے اظہار تعزیت و ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں۔ مرحومہ کے پس ماندگان حافظ احمد، محمد حامد، محمد محمود، پروفیسر محمد حماد، محمد حمید، محمد زید لکھوی برادران کے غم میں شریک ہیں۔ (ادارہ الاعتصام)

اور اسی نے تصرف کے قاعدے وضع کیے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ
﴿لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ [التكاثر: ۸]
”اس (قیامت) کے دن ضرور تم سے ان نعمتوں کے متعلق
پوچھا جائے گا۔“

لہذا ہر چیز فی نفسہ اللہ کی نعمت ہے اور ہر چیز کے بارے میں سوال ہوگا۔ اس نعمت کی قدر کرنا، اسے بچا بچا کر رکھنا اور احسن طریقے سے استعمال کرنا ہمارا فرض ہے، چاہے وہ انتہائی معمولی چیز ہو چاہے قیمتی۔ لہذا ہمیں نئی چیز کے حصول پر یا ہر من پسند چیز کے حصول پر رقم خرچ کرنے کی بجائے موجود چیز ہی کو قابل استعمال بنانے پر توجہ دینا چاہیے یا کسی ضرورت مند کو درست کروا کر دینا چاہیے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔

اگر خراب اور میلی چیز کسی کو دی جائے تو وہ بھی اسے ٹھیک کروانے کے بجائے کسی اور کو دے دینے یا بچوں کو توڑ پھوڑ کے لیے دے دینے کو ہی ترجیح دیتا ہے۔

دس کتابیں مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور
کی طرف سے اہم اعلان

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے درج ذیل دس کتابیں مفت زیر تقسیم ہیں:

- | | | |
|---------------------------------|---|-------------------------|
| ۱: طلاق قرآن و سنت کی روشنی میں | ۲: مسلک اہل حدیث پر ایک نظر | ۳: صراط مستقیم کی پہچان |
| ۴: کتاب الکبائر | ۵: مسائل رمضان المبارک | ۶: مسائل زکاۃ |
| ۷: مسلمانوں کے شب و روز | ۸: عقیدہ کی خرابیاں اور ان سے بچنے کے طریقے | |
| ۹: آداب نماز | ۱۰: حرز اعظم | |

خواہش مند حضرات مبلغ پچاس روپے کے ڈاک ٹکٹ برائے ڈاک خرچ بھیج کر مفت طلب فرمائیں۔
ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل سات اشتہارات کا معروف فورکٹر مدلل رنگین اور خوب صورت مکمل سیٹ منگوائیں اور فریم کروا کر مساجد میں آویزاں کریں۔ مسائل حقہ کی ترویج کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

نوٹ: فریم کروا کر آویزاں کرنے کا تحریری وعدہ آنا ضروری ہے۔ لٹرچر کی تقسیم پندرہ شعبان تک جاری رہے گی۔ ان شاء اللہ

(مولانا) محمد یسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ موبائل: 0333-8556473

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ

سعادت کی زندگی، شہادت کی موت

محمد سلیم چنیوٹی

سامعین کو اپنی گھن گرج سے آراستہ تقاریر سے گرمادیا کرتے تھے۔ ہم نے چنیوٹ شہر میں منعقدہ ختم نبوت کانفرنسوں میں علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کو بارہا سنا ہے۔ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان کے زیر اہتمام دسمبر کے مہینے میں یہ کانفرنس ہر سال چنیوٹ کے پبلک پارک میں منعقد ہوا کرتی تھی۔ عالم اسلام کے تمام مکاتب فکر کے مذہبی و سیاسی راہنما و قائدین اس کانفرنس میں تشریف لایا کرتے تھے۔ علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے بھی کئی مرتبہ اس کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ بعد ازاں علامہ احسان الہی ظہیر شہید رحمہ اللہ نے تحفظ ختم نبوت کی چوکیدار کے لیے اہل حدیث مسلک کے حاملین کو محافظ گردانتے ہوئے، اہل حدیث خاتم النبیین کانفرنس کی بنا ڈالی۔ علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے پریس کانفرنس میں ارشاد فرمایا کہ سارقین ختم نبوت کے خلاف جن لوگوں نے سب سے زیادہ قربانیاں دی ہیں۔ ان میں اہل حدیث کا وافر حصہ ہے۔ سیدنا محمد بن حنین محدث دہلوی، مولانا بشیر احمد سہوانی، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے علاوہ بے شمار اہل حدیث علمائے کرام نے اہل حدیث کے سٹیج سے تحفظ ختم نبوت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ علامہ صاحب نے اہل حدیث خاتم النبیین کانفرنس چنیوٹ منعقد کرنے کے لیے ۱۸، ۱۹، ۲۰ مارچ ۱۹۸۷ء کا دن مقرر فرمادیا۔

اس کانفرنس میں آپ نے ایک تاریخی خطاب فرمایا تھا۔ اس وقت بارش شروع ہو چکی تھی آپ کی گھن گرج سے چنیوٹ کے در و دیوار بھی گواہی دے رہے تھے کہ اگر کوئی ختم نبوت کے رکھوالے ہیں تو وہ اہل حدیث ہیں۔ اس تاریخی کانفرنس میں پنجاب بھر سے اور ملک

آج سے ۲۶ برس قبل ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو مینار پاکستان کے نزدیک قلعہ کچھن سنگھ چوک لاہور میں عالم اسلام کے بے باک راہنما، آبروئے مسلک اہل حدیث، جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ اور ملک پاکستان کے سیاسی و مذہبی پلیٹ فارم سے ابھرنے والے شعلہ بیان خطیب، علامہ حافظ احسان الہی ظہیر ایک جلسہ سیرت النبی ﷺ سے خطاب کے دوران بم دھماکے میں شدید زخمی کیے گئے۔ اس دھماکے میں ان کے قریبی ساتھی مولانا عبدالخالق قدوسی، مولانا حبیب الرحمن یزدانی، شیخ احسان الحق، محمد خان نجیب موقع پر ہی جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ لیکن علامہ احسان الہی ظہیر شہید رحمہ اللہ کو شدید زخمی ہونے کی بنا پر میوہ ہسپتال لایا گیا۔ بعد ازاں سعودی حکومت کے فرمانروا جناب شاہ فہد رحمہ اللہ کی خصوصی توجہ و دعوت پر بغرض علاج سعودی عرب کے ملٹری ہسپتال ریاض میں چلے گئے۔ جہاں زخموں کی تاب نہ لا کر ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کو ایک سعادت مند اندر رتبہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ احسان الہی ظہیر گونا گوں خصوصیات کے حامل راہنما تھے۔ آپ ایک شعلہ بار خطیب ہی نہیں بلکہ مکمل سیاسی سوچ بوجھ رکھنے والے شخص تھے۔ ملکی و دینی سیاست میں ایک قد آور شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلک اہل حدیث سے بڑی گہری محبت رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے جس سٹیج پر بھی خطاب کیا وہاں مسلک اہل حدیث کا آوازہ بھی بلند کیا۔ اے آر ڈی کی سیاسی تحریک ہو یا تحریک نظام مصطفیٰ کی مجالس، تحریک ختم نبوت ہو یا کوئی مذہبی قومی تحریک، ان سب تحریکوں میں مسلک اہل حدیث کے غیور نمائندے کے طور پر

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ عربی، فارسی، اردو میں خطابت و کتابت کر سکتے تھے۔ ایران اور عراق کی افسوس ناک جنگ کے دنوں میں علامہ صاحب نے عراقی صدر صدام حسین کی موجودگی میں عربی میں ایک ولولہ انگیز خطاب کیا تھا۔ یہ والہانہ خطاب بھی بڑا شان دار تھا کہ صدام حسین نے علامہ صاحب کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل تھے۔ انھوں نے عربی زبان میں ”القادیانیہ“ لکھی۔ اہل السنہ والشیعہ لکھی، اردو میں اسلام اور مرزائیت لکھی، اس کے علاوہ بھی کتب تحریر فرمائیں۔

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ ۱۹۶۷ء میں اہل حدیث کی قدیم مسجد چینانوالی میں خطیب مقرر ہوئے۔ عیدین کا خطبہ منٹو پارک مینار پاکستان پر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

ملک کے ممتاز ادیب و خطیب اور معرکہ آراء شاعر جناب شورش کاشمیری نے علامہ کے متعلق لکھا تھا: ”انشاء پر دازی ان کی جیب کی گھڑی اور تقریر و خطابت ان کے ہاتھ کی چھڑی ہے“، بہت سی خوبیوں کے مالک اور بلند آہنگ خطابت کے بے تاج بادشاہ کسیرت النبی ﷺ کے ایک جلسے میں لاہور کے مینار پاکستان کے قریب کسی شفی القلب نے ٹائم بم کے حملے کے ذریعے ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کی رات نشانہ بنایا۔ یوں مسلک اہل حدیث کا عظیم راہنما جماعت وقوم کو داغ مفاقت دے کر ۳۰ مارچ ۱۹۸۷ء کو جنت البقیع کے بابرکت میدان میں جاسوا۔

علامہ کی شہادت سے ایک ہفتہ قبل ہی چنیوٹ شہر کی خاتم التبیین کانفرنس میں ان کا ولولہ انگیز خطاب ہوا تھا۔ ان کی شہادت پر ٹیلی ویژن کے ذریعے جب خبریں آئیں تو بلا تفریق مسلک و مشرب لوگوں کو حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں تک کو ہم نے روتے ہوئے دیکھا۔

چنیوٹ کا بادشاہی مسجد میں ایک احتجاجی جلسہ ہوا۔ پھر ایک ریلی نکلی اور سارے شہر میں ہڑتال بھی ہوئی۔ یہی حال کئی دوسرے شہروں میں بھی ہوا۔ یہ چند یادگاری الفاظ ہیں۔ اللہ کریم شہدائے اہل حدیث علامہ احسان الہی ظہیر، مولانا عبدالخالق قدوسی، مولانا حبیب الرحمن یزدانی، شیخ احسان الحق اور محمد سلیم فوٹو گرافر رحمہم کو جنت الفردوس نصیب فرمائے، آمین۔

کے دیگر علاقوں سے لوگوں نے بھرپور شرکت کی تھی۔ قافلہ در قافلہ کارواں چنیوٹی شہر میں وارد ہو رہے تھے کہ چنیوٹ کے ہوٹلوں سے کھانا تک ختم ہو گیا تھا۔ پورا شہر قادیانیت جیسے سارقین ختم نبوت کے خلاف نعروں سے گونج اٹھا تھا۔ چنیوٹ کی دو پہاڑیاں اہل حدیث حضرات سے بارونق ہو چکی تھیں۔ ڈاک خانہ گراؤنڈ میں یہ کانفرنس کیا تھی ایک ٹھاٹھیں مارنا سمندر تھا۔ علامہ حبیب الرحمن یزدانی، سید ضیاء اللہ شاہ بخاری، قاضی محمد اسلم سیف، حافظ عبداللہ شیخوپوری، قاری عبدالحمید فیصل آبادی اور دیگر حضرات نے ولولہ انگیز تقاریر فرمائیں۔ خطبہ جمعہ مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ نے پڑھایا تھا۔

علامہ صاحب کے خطاب کے دوران بارش شروع ہوئی۔ علامہ صاحب سردی کے باوجود خطاب جاری رکھے ہوئے تھے اور ہوا سے جب قاتیں ہلنے لگیں تو علامہ صاحب نے فرمایا: ”ان بارش کے قطرات نے میرے زخموں کو ہرا کر دیا ہے۔ میں آج چنیوٹ کے اس وسیع و عریض میدان میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ختم نبوت کے اگر صحیح رکھوالے ہیں تو وہ اہل حدیث ہیں۔ اور فرمایا کہ ”اہل حدیث! یہ صدی اہل حدیث کی صدی ہے۔ ان شاء اللہ زمانہ تمہارے قدموں کی چاپ کا منتظر ہے اور آپ دیکھیں گے اہل حدیث ہی اس ملک میں قال اللہ وقال الرسول کے کلمے کو بلند کریں گے۔“

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ ایک خطیب، مصنف، مترجم، مؤلف اور سیاسی و مذہبی راہنما بھی تھے۔

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ پر کئی ایک مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ کئی چھوٹی بڑی کتب بھی ہیں۔ اہل حدیث خاندان کے فرد فرید ہونے کے ساتھ ساتھ قومی سیاست میں بھی ایک مقام حاصل کر چکے تھے۔ صحافی بھی تھے۔ مفت روزہ الاعتصام لاہور کے ۱۹۶۷ء میں ایڈیٹر مقرر ہوئے تھے۔ بعد ازاں انھوں نے ”ترجمان السنۃ“ کے نام سے اپنا ایک ماہنامہ بھی جاری کر لیا تھا۔ کئی ایک اخبارات و جرائد میں آپ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ خطبات علامہ احسان الہی کے نام سے مکتبہ قدوسیہ لاہور نے ایک کتاب بھی شائع کر دی ہے۔

عظیم اور منفرد دوست ”عبدالوکیل صدیقی“ کی یاد میں

(میاں محمد جمیل کنونیہ تحریک دعوت توحید پاکستان)

عبدالوکیل رحمہ اللہ کا خاندانی پس منظر اور دینی خدمات:

قاری صاحب مرحوم کا آبائی اور خاندانی تعلق ہری پور شہر کے ساتھ تھا۔ یہ خاندان تقریباً دو سو سال سے ہری پور میں رہائش پذیر ہے اور اس خاندان کو ایک مدت سے ہری پور شہر اور اس کے گرد و نواح میں دینی، سیاسی اور سماجی حیثیت حاصل ہے۔ دینی لحاظ سے اس خاندان کا تعلق سیدین، شہدین رحمہم اللہ کے قافلے کے ساتھ تھا کیونکہ ہری پور سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر کچھ مقامات ہیں جن کو مقامی بولی میں چھاؤنیاں کہا جاتا ہے، یہ وہ مقامات ہیں جہاں مجاہدین کے قافلے پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔ ہری پور کی ایک معتبر شخصیت نے قاری صاحب کے خاندان کی تاریخ سے آگاہ کرتے ہوئے مجھے بتلایا کہ اس برادری کا غزنوی خاندان کے ساتھ بھی بڑا پرانا اور گہرا تعلق ہے۔ یاد رہے کہ ہری پور کے پرانے اہلحدیث غزنوی حضرات کو صاحبزادوں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان صاحبزادوں میں ایک بزرگ لاہور کے مشہور ڈاکٹر خالد غزنوی جنہوں نے طب نبوی اور موجودہ میڈیکل سائنس پر چھ سات کتابیں لکھی ہیں۔ ان کے نانا جی طویل عرصہ تک ہری پور کی جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب رہے ہیں۔ اس مسجد کو اب تک ہزارہ ڈویژن میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ پہلے دن سے اس مسجد کی نگرانی اور تولیت کا اعزاز ہمارے عظیم بھائی کے خاندان کو حاصل ہے۔ ماضی قدیم میں یہ مسجد صوبہ پی کے (سرحد) کی پہلی جامع مسجد ہوا کرتی تھی۔ جس میں جمعہ پڑھنے کے لیے لوگ پہاڑی علاقے کا دور دراز سے سفر کر کے آیا کرتے تھے اور اسی مسجد سے وابستہ نوجوان ہری پور کے مین بازار میں ایک کانفرنس کا اہتمام کرتے ہیں جو صوبہ PK کی سب سے بڑی کانفرنس ہوتی ہے۔

اسکی انتظامی کمیٹی کے سربراہ برادر م مصطفیٰ چوہان صدیقی رحمہ اللہ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔

خاندان کا سیاسی اور سماجی تعارف:

اس خاندان کے اثر و رسوخ کا اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ ہری پور کی پرانی آبادی میں بڑی برادریوں میں ایک بڑی برادری ملک برادری ہے جن کی رہائش شہر کے وسیع علاقے کا احاطہ کرتی ہے اور ان کا محلہ ملک پورہ کے نام سے مشہور ہے جو شہر کے وسط میں واقع ہے۔ ملک میں جب سے بلدیاتی الیکشن کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے اس برادری کا بلدیاتی اپنا کونسلر ہوتا ہے اور قاری عبدالوکیل رحمہ اللہ کے دوسرے بڑے بھائی اقبال صاحب جو جماعت اسلامی ضلع ہری پور کے دودفعہ امیر منتخب ہوئے وہ بلدیاتی نظام میں یونین کونسل کے ناظم ہونے کی حیثیت سے خدمات بھی سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اس خاندان نے دیگر سماجی کام کرنے کے ساتھ عوامی خدمت کے لیے دو منزلوں پر مشتمل ایک وسیع ہال بھی تعمیر کر رکھا ہے جس کی سروس لوگوں کو فری مہیا کی جاتی ہے۔ سماجی اثر و رسوخ اس قدر وسیع ہے کہ قاری صاحب کے جنازہ پر آنے والے حضرات کے لیے برادری کے لوگوں نے از خود کئی مکانات خالی کر دیئے اور انتظامیہ نے ریسٹ ہاؤس کی چابی قاری صاحب کے سب سے بڑے بھائی حاجی الیاس صاحب کے حوالے کی تاکہ معزز مہانوں کو ٹھہرایا جاسکے۔ بندہ ناچیز جنازے کے اگلے دن بھی وہاں ٹھہرا رہا، میں نے دیکھا کہ سابق وزیر خارجہ گوہر ایوب خان، سابق وزیر اعلیٰ صابر شاہ اور کئی سیاسی راہنما اور مذہبی پیشوا تعزیت کے لیے تشریف لائے جن کے ملنے، بیٹھنے اور گفتگو کا انداز بتلاتا تھا کہ موصوف کے خاندان کے ساتھ ان کے رسمی

نہیں بلکہ ذاتی نوعیت کے تعلقات ہیں۔

حلیہ باوقار، سنجیدہ گفتار اور صالح کردار کے پیکر:

موصوف کا سراپا ان نقوش کا پیکر تھا۔ سفیدی مائل چہرہ، درمیانی قامت، پُھر تیل جسم، سنجیدہ گفتار، باوقار چال اور صالح کردار، رہنے سہنے کا عجزانہ اور سادہ انداز، شب و روز محنت کرنے کے عادی، طلبہ اور چھوٹے بچوں سے شفقت کرنا اور بزرگوں سے احترام کے ساتھ پیش آنا مرحوم کا طرز حیات تھا، سر پر سرخ رومال رکھتے اور آنکھوں پر ہلکے رنگ کے چشمے پہنتے تو کسی عرب شیخ سے کم دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اپنے دو بھائیوں سے چھوٹے اور دو سے بڑے تھے۔ گویا کہ اپنے ماں باپ کے مٹھلے بیٹے تھے۔ اپنے ہی خاندان میں شادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے صالحہ اور صابرہ بیوی عطا فرمائی جو ہری پور کی ٹھنڈی فضاؤں میں پرورش پانے والی خاتون تھیں مگر اڑتیس (۳۸) سال خانپور کے تنور نما علاقے میں گزار دیئے اور عسر و آسر میں ہمیشہ اپنے خاوند کا ساتھ دیا، آج اپنے رفیق زندگی کے غم میں نڈھال مگر صبر و شکر کے ساتھ دعا گو ہیں۔ رب کریم ہماری بہن کو بڑا حوصلہ دے اور مزید آزمائش سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عامر اور عمیر بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی۔ دونوں بھائی مہذب، عصر حاضر کے تعلیم یافتہ اور اپنے ماں باپ کی تربیت کا چلتا پھرتا نمونہ ہیں۔ بڑا بیٹا حافظ عامر ہے جن کی سمجھداری اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ ہزاروں لوگوں نے موصوف کے جنازے پر دیکھا اور سنا۔ جن کے ساتھ میرا پہلے بھی تعلق تھا مگر اب تو یہ تعلق بہت گہرا ہو چکا ہے ان شاء اللہ! اسے زندگی بھر قائم رکھا جائے گا۔

انہوں نے ۲۴ مارچ صبح کے وقت فون کیا اور میرے ذمہ لگایا کہ میں اپنے مخلص دوست اور عظیم بھائی کے بارے میں کچھ لکھوں۔ لکھنا تو پہلے بھی تھا مگر کچھ غم ہکا ہونے کے بعد کیونکہ اب تک کیفیت یہ ہے کہ جذبات پر اختیار نہ ہونے کی وجہ سے قلم لرزتا ہے اور طبیعت میں غم بڑھتا جا رہا ہے لیکن موصوف کے ساتھ تعلق اور عامر بھائی کے ساتھ رشتہ ایسا ہے کہ تاخیر کرنے کی جرأت نہیں پاتا اس کیفیت میں یہ مضمون

سپر قلم کر رہا ہوں۔

قاری صاحب کا صدیقی کہلوانا:

ابھی آپ نے پڑھا کہ قاری صاحب کا تعلق ملک برادری سے ہے جو اپنے علاقے میں معتبر اور قابل احترام سمجھی جاتی ہے۔ قاری صاحب نے تعارفی نسبت اپنی برادری کے ساتھ جوڑنے کی بجائے صدیقی کہلانا پسند کیا جس کی وجہ آپ چند سطور کے بعد پڑھیں گے۔ قاری صاحب قرآن مجید کا زیادہ حصہ ہری پور میں حفظ کرنے کے بعد گوجرانوالہ جامعہ محمدیہ میں داخل ہوئے۔ حفظ اور تجوید مکمل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے سند فراغت حاصل کی، یہ وہ مدرسہ ہے جہاں سے بڑے بڑے عالم فارغ ہوئے، ان میں سرفہرست شہید ملت حضرت علامہ مرحوم بھی ہیں، الحمد للہ راقم نے بھی اسی جامعہ سے سند فراغت حاصل کی ہے، فراغت کے دوران ہی قاری صاحب نے اپنے لیے صدیقی کا لقب پسند فرمایا۔ جس کا محرک یہ تھا کہ جامعہ اسلامیہ میں طلبہ کے درمیان ایک علمی مذاکرہ ہوا جس میں ایک طالب علم نے شیعہ کے دلائل پیش کرتے ہوئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں گفتگو کی، دوسری طرف سے قاری عبدالوکیل صاحب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں دلائل پیش فرمائے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمات اور قاری صاحب کے انداز گفتگو سے متاثر ہو کر طلبہ نے انہیں صدیقی کہنا شروع کر دیا۔ موصوف کو یہ لقب اس قدر پسند آیا کہ انہوں نے اسے اپنے نام کا جز ٹھہرا لیا۔ آج دنیا انہیں قاری عبدالوکیل صدیقی ثم خانپوری کے نام سے یاد کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔

خانپور کٹورا میں تشریف آوری:

۱۹۷۴ء میں خانپور کی اکلوتی مسجد چھوٹی ہونے کے باوجود علاقے کی مرکزی مسجد تھی، اس دور میں اس شہر اور علاقہ میں اہلحدیثوں کی تعداد بہت ہی کم ہوا کرتی تھی۔ مسجد کی انتظامیہ نے الاعتصام میں اشتہار دیا کہ ہمیں ایک ذمہ دار، پڑھے لکھے عالم کی ضرورت ہے۔ اشتہار قاری صاحب کی نظر سے گزرا۔ آپ ہری پور سے خانپور

تشریف لے گئے آپ کے درینہ ساتھی ماسٹر عطاء اللہ صاحب بیان کرتے ہیں۔

گرمی کا موسم تھا قاری صاحب مغرب کے قریب خانپور کی مسجد میں تشریف لائے۔ مقامی جماعت کے بزرگوں سے بات چیت ہوئی تو وہ آپ کی گفتگو سے مطمئن ہوئے۔ وظیفے کی بات ہوئی تو آپ نے نظریں جھکا کر کہا کہ جو آپ کا دل چاہے میرا آپ سے کوئی مطالبہ نہیں۔ اس کے بعد قاری صاحب نے اپنے آپ کو حائلۃ المسجد بنا لیا۔ اذان دینے، جماعت کروانے اور خطبہ ارشاد فرمانے کے ساتھ ساتھ مسجد کی کوئی ایسی خدمت نہ تھی جسے قاری صاحب انجام نہ دیتے ہوں۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ ہم مسجد کے صحن میں بھرتی ڈالنے کے لیے ریت کی ریڑھی لا رہے تھے جو راستے میں پھنس گئی۔ ساری رات میں (ماسٹر عطاء اللہ) اور قاری صاحب ریڑھی نکالنے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ لیکن کیا مجال کہ قاری صاحب نے ایک دفعہ بھی کہا ہو کہ یہ میری ڈیوٹی نہیں اس لیے آئندہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ ان کی محنت، اخلاص اور صبر کا یہ نتیجہ نکلا کہ خانپور کی جماعت ترقی کرنے لگی اور اہلحدیث مسلک لوگوں میں مقبول ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آج خانپور کی جماعت اپنے کام اور نام سے پاکستان میں بالخصوص اور عرب ممالک میں بالعموم ایک مقام رکھتی ہے، کام اور نام کی وجہ سے یہاں بہت سارے مقتدر سیاسی لیڈر، نامور مذہبی راہنما اور ائمہ حرم تشریف لاکچے ہیں۔ قاری صاحب کی اڑتیس (۳۸) سالہ خدمات کو دیکھتا ہوں تو دل میں بار بار خیال آتا ہے کہ ”اللہ“ نے کس طرح اپنے بندے کو ٹھنڈے علاقے سے اٹھایا پھر گرم ترین علاقے میں بسایا اور ڈیوٹی پوری ہونے پر واپس بلا لیا جو آج اپنے والدین کے پہلو میں شہر خموشاں میں لیٹا ہوا ہے۔ اس صورت حال میں میری زبان بار بار یہ آیات تلاوت کرتی ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ [البقرة: ۱۰۵]

”اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص فرمائے

اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔“

﴿اللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ

اللّٰهُ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ [الحج: ۷۵]

”حقیقت یہ ہے کہ ”اللہ“ ملائکہ اور انسانوں میں سے (جسے چاہتا ہے اپنا) پیغام رساں منتخب کرتا ہے یقیناً اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔“

منفرد شخصیت اور ہر دل عزیز خطیب:

موصوف کے خاندان کے افراد کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں میں نے انہیں ہمیشہ منکسر المزاج اور متواضع پایا ہے۔ دین کا اثر اور خاندانی اوصاف کے اثرات تھے کہ موصوف نے جس شخصیت کے ساتھ تعلق جوڑا اسے آخری دم تک نبھایا، ان کے اہلحدیث قائدین کے ساتھ بڑے عقیدت مندانہ تعلقات اور گہرے رابطے تھے، پیر بدیع الدین ہمیشہ انہیں اپنی کانفرنس میں بلاتے اور ان کے خطاب کی تحسین فرماتے، پیر صاحب بھی خانپور کی کانفرنس میں ہر سال تشریف لایا کرتے تھے۔ جماعت اہلحدیث کے امیر حافظ عبدالقادر روپڑی خطیب پاکستان مولانا محمد حسین شیخوپوری، شہید مولانا حبیب الرحمن یزدانی، حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری، حضرت علامہ ظہیر رحمہ اللہ کو اپنا قائد مانتے تھے اور علامہ صاحب بھی انہیں اپنا با اعتماد ساتھی اور جنوبی پنجاب کی جمعیت اہلحدیث کا مذہبی بڑا لیڈر سمجھتے تھے۔ تنظیمی فرق کے باوجود حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری کے ساتھ بھی ان کے قریبی تعلقات تھے۔

اللهم اغفر لهم وارحمهم .

جہاں تک موصوف قائدین کے صاحبزادوں کا تعلق ہے وہ حضرت روپڑی صاحب کی نسبت سے حافظ عبدالغفار اور حافظ عبدالوہاب کو اپنی کانفرنس میں بلاتے اور انہیں بزرگوں جیسا احترام دیتے تھے، حضرت قدسی شہید کے بیٹوں جناب ابو بکر اور عمر فاروق کے ساتھ تعلقات میں کبھی فرق نہیں آنے دیا، شہید ملت علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کے صاحبزادے حافظ ابتسام الہی ظہیر کو وہی پروٹوکول دیتے جو حضرت علامہ صاحب کو دیا کرتے تھے۔ پروفیسر حافظ

سکا۔ اب ملک میں شاہد ہی کوئی کانفرنس منعقد ہوتی ہو جوتا ریجنی تسلسل کے ساتھ تین دن جاری رہتی ہے اور اس میں عوامی خطبات کے ساتھ علمی خطابات بھی کروائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے خانپوری واحد کانفرنس ہے جس میں عوامی خطابت کا جو بن بھی ہوتا ہے اور اس میں تقریباً ہر سال شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ناصر رحمانی کے خطبہ جمعہ کے بعد مولانا ارشاد الحق اثری مولانا اور دیگر شیوخ الحدیث کے خطابات کروائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ سوال، جواب کی نشست کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ جس میں مولانا محمد ابراہیم بھٹی مدلل اور موثر جواب دیتے ہیں اور خاص و عام کو مطمئن کرتے ہیں۔ میرے مشاہدے کے مطابق علمی پروگرام میں عوام الناس برابر کی دلچسپی لیے ہوئے ہوتے ہیں۔ کانفرنس کے بارے میں قاری صاحب کی پالیسی یہ تھی کہ نظم کا احترام اپنی جگہ پر لیکن تبلیغی میدان میں وسعت کا ہونا جماعت اور مسلک کے لیے انتہائی ضروری ہے، قاری صاحب نے کانفرنس کے لیے کارکنان کی ایسی ٹیم تیار کی جو قاری صاحب کی وفات کے عظیم اور قریبی سانحہ کے باوجود پورے نظم و ضبط اور حوصلے کے ساتھ ۷ اپریل ۱۹۹۹ (۲۹) کو اس کانفرنس کا انعقاد کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ! جو اس بات کا ثبوت پیش ہوگی۔

صدیقی رحمہ اللہ تیرا کا قافلہ کا نہیں تھا نہیں

جامعہ محمدیہ خانپور برائے طلبہ، طالبات:

حقیقت یہ ہے کہ جامعات مسلک اہلحدیث کی جان اور پہچان ہیں۔ برصغیر میں جتنے بڑے بڑے عالم ہوئے ہیں وہ انہیں جامعات کے فیض یافتہ تھے، مدارس اسلام کے قلعے اور مسلک اہلحدیث جو دین کی حقیقی اور سچی تعبیر ہے اس کی نرسیاں اور چھاؤنی ہیں؛ جب تک اہل علم اور اہل ثروت حضرات ان کی نگرانی اور رکھوالی کرتے رہیں گے اس وقت تک نہ صرف مسلک اور جماعت ترقی کرے گی بلکہ پاکستان قائم اور مستحکم رہے گا۔ جس علاقے میں مدرسہ قائم ہو جائے اور اس کا نگران با اختیار محنتی عالم دین ہو تو اس علاقے کی کاپی لٹ جاتی ہے، اسی تخیل کے پیش نظر قاری صاحب نے خواجہ برادران اور دیگر مقامی

عبدالرشید اظہر رحمہ اللہ کے صاحبزادے حافظ مسعود اظہر کو اپنے بیٹوں جیسا جانتے تھے یہی احترام مولانا عبدالباسط شیخوپوری کو دیتے تھے غرض یہ کہ وہ بزرگوں کی اولاد کا بہت خیال رکھتے تھے۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر پروفیسر ساجد میر صاحب کو بڑی احترام کی نظر سے دیکھتے اور نہایت ادب سے پیش آتے، جماعت کے متعلق گہری سوچ و پکار کے باوجود مرکز کے ساتھ وابستہ رہے، حضرت قاری صاحب نے ملک بھر کی کانفرنسوں میں بھرپور شرکت فرمائی اور بڑی شہرت پائی۔ ان کا خطاب جارہا نہیں مصلحانہ ہوتا تھا، سامعین کے جوش کو اپنی ہوش پر غالب نہیں آنے دیتے تھے، خطیبانہ انداز میں گفتگو کرتے لیکن تدبر کا پہلو غالب رہتا تھا۔ کئی خطیب ایسے ہوتے ہیں جو مقامی جماعت میں قابل ذکر احترام اور مقام نہیں رکھتے لیکن قاری صاحب اس لحاظ سے منفرد خطیب اور شخصیت تھے کہ انہوں نے اپنے علاقہ میں تاریخی کام اور کارنامے سرانجام دیئے جو رہتی دنیا تک ان کی یادگار ہونے کے ساتھ صدقہ جاریہ ہیں۔ خطابت کے میدان میں ہر دلعزیز ہونے کے بعد بعض خطباء کا خاص مزاج بن جاتا ہے۔ قاری صاحب کے اخلاق اور کردار کا عالم یہ تھا کہ خطابت میں ہر دلعزیز خطیب ہونے اور اس کا طویل دورانیہ پانے کے باوجود کسی فرد نے کبھی ان کے اخلاق اور خطیبانہ معاملات کی شکایت نہیں کی۔ بغیر کڑ و فر کے تشریف لاتے، اپنی باری کا انتظار کرتے اور کبھی خصوصی قیام اور طعام کی تمنا نہیں کرتے تھے۔

خانپوری کی کانفرنس کا منفرد اعزاز:

برصغیر میں مذہبی کانفرنسیں منعقد کروانے میں اہلحدیث علماء اور قائدین کا خصوصی کردار رہا ہے۔ پاکستان بننے کے بعد اس روایت کو مقامی جماعتیں اور مرکزی جمعیت اہلحدیث کافی حد تک جاری رکھے ہوئے ہے۔ پُرانے دور میں بڑے بڑے شہروں میں تین تین دن کانفرنسیں منعقد ہوا کرتی تھیں، پاکستان بننے کے کافی عرصہ تک ان کانفرنسوں کا دورانیہ اسی طرح جاری رہا لیکن لوگوں کی دین سے دوری، مہنگائی اور سٹیج کی کچھ نزاکتوں کی وجہ سے یہ سلسلہ جاری نہیں رہا

دوستوں کے تعاون سے 1910ء میں جامعہ محمدیہ کی بنیاد رکھی جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک طلبہ کے لیے اور دوسرے جامعہ میں طالبات تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ طلبہ کے جامعہ کی قاری صاحب نگرانی کرتے تھے اور طالبات کے شعبہ کی سرپرستی ان کی بیگم کرتی تھیں اور کر رہی ہیں۔ اس سال 400 طلبہ اور 350 طالبات زیر تعلیم ہیں جو قاری صاحب مرحوم اور ان کے معاونین کا عظیم کارنامہ اور صدقہ جاریہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تاقیامت قائم رکھے اور اس کے بانی اور معاونین کو اجر عظیم سے سرفراز فرمائے۔ اس جامعہ نے جتنی ترقی کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی بلڈنگ وسیع اور پُر شکوہ ہے اور اس کی انفرادیت یہ ہے کہ اس کے متصل استاذہ کے لیے معیاری ہاسٹلز بھی تعمیر کیے گئے ہیں۔ جو اس کے بانی کی وسیع منصوبہ بندی اور اپنے اساتذہ کرام کے ساتھ عملی ہمدردی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

خانپور کا بے تاج بادشاہ:

اہلِ ان خانپور سے معذرت کے ساتھ لکھتا ہوں کہ ایک وقت تھا جب چالیس پچاس سال کے پیٹ میں پلنے والی اہلحدیث نسل کی اکثریت خانپور کو نہیں جانتی تھی ان کا خانپور کے ساتھ تعارف حضرت قاری عبدالوکیل صاحب کی وجہ سے ہوا اور انہی کی وجہ سے خانپور اہل حدیث جماعت کا مرکز بنا اس سے پہلے اہلحدیث حضرات کا تعارف بہاولپور اور احمد پور شرفیہ تک محدود تھا یہ قاری صاحب کی محنت، اخلاص اور ان کے مخلص ساتھیوں کی رفاقت اور تعاون کا نتیجہ ہے کہ آج خانپور کی شہرت عالم اسلام کی معتد بہ حصہ میں پائی جاتی ہے بہاولپور میں مبلغ اہلحدیث پروفیسر حافظ عبداللہ بہاولپوری اور احمد پور شرفیہ میں فاروقی خاندان کے گہرے اثرات پائے جاتے ہیں لیکن ان کے اثرات عوام الناس میں قدرے کم تھے، یونہی قاری صاحب خانپور میں تشریف لے گئے اور ان کا نام اور کام آگے بڑھا تو خانپور کی شہرت اور نیک نامی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

میں نے اپنی زندگی میں بے شمار علماء کے اثرات دیکھے ہیں مگر وہ علماء کے بارے میں بالیقین کہتا ہوں کہ وہ اپنے نام اور کام کے اعتبار

سے اپنے شہر میں بے تاج بادشاہ تھے گو ان کی شخصیات اور حلقے میں کافی فرق ہے، ایک استاد تھے اور دوسرے شاگرد، مگر پھر بھی ان میں بہت حد تک مماثلت پائی جاتی ہے سرفہرست جماعت کے امیر اور عظیم محسن شیخ الحدیث مولانا عبداللہ رحمہ اللہ تھے جو اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے گوجرانوالہ کے بے تاج بادشاہ تصور ہوتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار خوبیوں کے ساتھ استغناء اور خودداری کی نعمت اس قدر عطا فرمائی تھی کہ جس کی مثال بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے، یہی خوبیاں قاری صاحب موصوف میں موجود تھیں مشکل سے مشکل حالات میں استغناء اور خودداری کے ساتھ کام کرنا اور اپنے دامن کو اخلاقی گراؤ اور مالی حرص سے بچا کر رکھنا ان کا وطیرہ امتیاز تھا استغناء کا عالم یہ تھا کہ جگر کی ٹرانسپلاٹیشن کے لیے انڈیا جا رہے تھے جس کے لیے پچاس سے ستر لاکھ روپے خرچ ہونے تھے، مقامی جماعت کے بزرگوں نے خاصی رقم قبول کرنے کی فرمائش کی لیکن موصوف نے جزاک اللہ کہہ کر قبول کرنے سے معذرت کی کہنے اور لکھنے میں یہ بات آسان ہے مگر اس دور میں یہ بات نوجوان خطباء کے لیے عظیم مثال کی حیثیت رکھتی ہے۔ قاری صاحب کے اخلاص، محنت اور جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ جب کانفرنس کے موقع پر شہر میں شوکت اسلام یا کسی اور عنوان پر جلوس نکالتے تو تمام مکاتب فکر کے لوگ اپنی اپنی دکانوں سے نکل کر انہیں ہار پہنایا کرتے تھے ان کی عقیدت کی وجہ سے میرے جیسے لوگوں کے گلوں میں بھی ہار ڈالے جاتے تھے اس جلوس کا انتظامیہ اور دوسری جماعتوں پر اس قدر دبدبہ طاری ہوتا کہ پورا سال لوگ اس کا تذکرہ کرتے تھے اور مسلک کے مخالفین دب کر رہ گئے تھے۔

وفا کا بدلہ وفا:

خطابت سے وابستہ حضرات جانتے ہیں کہ اس راہ میں کتنی مشکل گھائیاں آیا کرتی ہیں کامیاب خطیب جماعتوں کو پلے نہیں باندھتے اور مالدار جماعتیں خطیب کو ملازم سے زیادہ حیثیت نہیں دیتیں، جماعت کا دل بھر جائے تو وہ خطیب بدلے بغیر نہیں رہ سکتی اور خطیب

وہ کئی دفعہ مسکرائے جس پر مجھے قرآن کی یہ آیت یاد آئی۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ﴾ [حم سجدہ]

”جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ثابت قدم رہے یقیناً اُن پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، اور نہ غم کرو، بلکہ اُس جنت کے بارے میں خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔“

﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۖ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۖ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۖ﴾

[الفجر: ۲۷-۳۰]

”اے اطمینان پانے والی روح اپنے رب کی طرف لوٹ جا۔ اس حال میں کہ تو راضی اور خوش ہونے والی ہے۔ پس تو میرے بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔“



چوہدری محمد انوار الحق کو حادثہ

مرکزی جمعیت اہل حدیث شہر اوکاڑا کے سرپرست اور ادارہ دار الحدیث اوکاڑا کے صدر جناب چوہدری محمد انوار الحق صاحب مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد گھر جاتے ہوئے حادثے کا شکار ہو گئے۔ گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ احباب سے ان کے لیے دعائے صحت کی درخواست ہے۔

(عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث سایہ وال روڈ، اوکاڑا)

دارالحدیث راجووال میں علماء کی آمد

مفسر قرآن حضرت مولانا حافظ صلاح الدین یوسف اور محترم پروفیسر حافظ ثناء اللہ خان و دیگر اہل علم یکم اپریل ۲۰۱۳ء کو دارالحدیث راجووال ضلع اوکاڑا تشریف لائے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف، اساتذہ جامعہ و طلباء نے علمائے کرام کی آمد پر خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ (عنایت اللہ امین)

بڑا ہوجائے تو وہ بڑی جماعت اور بڑی مسجد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے، کون نہیں جانتا کہ قاری صاحب جماعت کے بہت بڑے خطیب تھے بڑے خطیبوں کو درجنوں جماعتیں بڑی بڑی مراعات پیش کرتی ہیں حضرت کو بھی متحدہ امارات اور برطانیہ کی جماعت نے کئی مرتبہ آفر (offer) کی لیکن انہوں نے ہر بار یہی جواب دیا کہ جس باغ کو میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے میں اس کی آبیاری نہیں چھوڑ سکتا میرا مرنا اور جینا خانپور میں ہوگا اس طرح انہوں نے عسیر میں رہتے ہوئے اڑتیس سال گزار دیے جو نو جوان خطیبوں کے لیے بہترین مثال ہے خدا رحمت فرمائے مرد قلندر نے اپنی بات سچ کر دیکھائی انہوں نے اپنے ساتھیوں بالخصوص خواجہ برادران سے وفا کی اور خواجہ صاحبان اور ان کے احباب نے بھی آخر دم تک ان کا ساتھ دیا اللہ تعالیٰ ان کے مال و جان میں برکت فرمائے۔ بیدار مغز قیادت اور باشعور جماعتیں اپنے مسنوں اور مخلص کارکنوں کا خیال رکھتی ہیں جو جماعتیں اس بات کا خیال نہیں رکھتیں وہ ہمیشہ بحران کا شکار ہوتی ہیں قاری صاحب کی وفا، تربیت کا نتیجہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد کسی تاخیر کے بغیر خانپور کی جماعت نے آپ کے بڑے صاحبزادے حافظ عامر کو جامعہ کا مہتمم منتخب کیا ہے، جس کی مثال بڑی بڑی جماعتوں میں نہیں ملتی۔

آخری وقت کلمہ طیبہ کا ورد:

قاری صاحب بدھ کی شام نیند تو مے کی حالت میں چلے گئے بہت تھوڑے وقت کے لیے آنکھیں کھولتے، بے حد تکلیف ہونے کے باوجود بڑے حوصلے میں دکھائی دیتے تھے انہوں نے جمعہ کے دن صبح ساڑھے چھ (۶:۳۰) بجے وفات پائی۔ میں رات گئے تک ان کی خدمت میں حاضر رہا، میں نے ان کی آخری حالت دیکھ کر ان کے کان میں کہا کہ قاری صاحب زندگی بھر جس رب کے دین کی خدمت کرتے رہے ہو اس کی ملاقات کا وقت آن پہنچا ہے اس لیے کلمہ شریف پڑھیں آواز تو نہیں نکلتی تھی مگر زبان کی حرکت اور زبان کی تیزی سے صاف سنائی دیتا تھا کہ وہ کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے ہیں یقین جانے کہ اس دوران

زندگی کے سارے سکھ، صحت اور تن درستی سے ہیں



تن سکھ سے تن درستی

تن سکھ جسم و جاں کو تقویت پہنچاتی ہے، نظام ہضم اور افعال جگر کی اصلاح کرتی ہے

ہمدرد

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:

www.hamdard.com.pk

مکاتیب اسلامیہ، تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست تہذیب، عقائد کے ساتھ مصونہ بنائے ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع دینا اقوامی
شرعیہ و حکمت کی تہمیدیں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

کچھ اس کی بھی خبر ہے تجھ کو اے مسلم کہ آ پہنچی
 وہ ساعت جو نہ بھولے سے بھی لے گی نام ٹلنے کا
 بھڑک اٹھی وہ آگ اسلام نے جس کو خبر دی تھی
 کیا ہے کفر نے ساماں ترے خرمن کے جلنے کا
 جی ہیں پڑیاں تیرے غبار آلودہ ہونٹوں پر
 تماشا دیکھ لے حسرت سے زمزم کے اُبلنے کا
 تجھے تہذیبِ مغرب سبز باغ اپنا دکھاتی ہے
 یہ ساماں ہو رہا ہے تیری نیت کے پھسلنے کا
 ترا اخراجِ قسطنطنیہ سے شاید نشان ہوگا
 امامِ مہدیٰ برحق کے میداں میں ٹکٹے کا
 اگر قرآن کے وعدے سچ ہیں اور کچھ شک نہیں سچ ہیں
 تو وقت آ ہی گیا ہے کفر کے سورج کے ڈھلنے کا
 خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
 نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

(ظفر علی خان)